تحریک ہجرت 1920ء

مصنف

شاہد حسین خاں

ناشر

ادارہ تحقیقات افکار و تحریکات ملی پاکستان

تحریکِ ہجرت

۱۹۲۰ء میں مسلمانانِ برِعظیم پاک و ہند کی ہجرتِ افغانستان

تاریخ، افکار اور دستاویزات



مرتبہ

شاہد حسین خاں



یکے از مطبوعات

ادارۂ تحقیقاتِ افکار و تحریکاتِ ملی

پاکستان

سلسلہ مطبوعات آزاد صدی نمبر ۱

کتاب : تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء

مرتب : شاہد حسین خاں ایم۔ اے (اسلامیات)

ناشر : ادارۂ تحقیقاتِ افکار و تحریکات ملی پاکستان
علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۷۵۸۰۰

طابع : المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) مزار اسٹریٹ۔
پاکستان چوک۔ کراچی ۱

اشاعت : ۱۹۸۹ء

قیمت : ۴۵ روپے

ملنے کا پتہ

(۱)

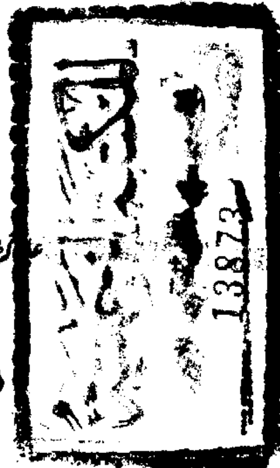
مکتبہ شاہد

علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۷۵۸۰۰

(۲)

مکتبہ رشیدیہ

قاری منزل۔ مزار اسٹریٹ
پاکستان چوک۔ کراچی ۱



فہرست

پیش لفظ

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے گورنمنٹ نیشنل کالج (شہید ملت روڈ) کراچی کے مجلّے "علم و آگہی" کے "تحریکات ملی" نمبر کے لیے اُس کے ایڈیٹر اور مرتب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کی درخواست پر "تحریک ہجرت" کے موضوع پر ایک مقالہ لکھا تھا جو ڈاکٹر شاہجہان پوری کے بہ قول: "اس موضوع پر پہلی تحقیقی اور جامع الاطراف تصنیف ہے"۔ اِس سے پہلے اس تحریک کے بارے میں بعض تاریخوں اور سیاسی سوانح میں محض اشارات ملتے تھے، جن سے تحریک کی صحیح تاریخ، مقصد، نتائج اور ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی و عملی زندگی پر اُس کے اثرات پہ کوئی خاص روشنی نہ پڑتی تھی۔ ڈاکٹر عقیل صاحب کے اس مقالے سے پہلی مرتبہ اس تحریک کی جامع و مستند تاریخ اور مقصد و نتائج پہ روشنی پڑی، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی ملّی اور سیاسی زندگی پہ اُس کے اثرات کا پتہ چلا۔

اِس مقالے کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اس کو الگ اور مستقل کتاب کی شکل میں چھاپا جائے۔ اگرچہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری ایک مدت سے اس کی اشاعت کی فکر میں تھے، لیکن بہ حکم "کل امرٍ مرھون باوقاتھا" اِس آرزو کی تکمیل کا بھی ایک وقت مقرر تھا۔ الحمد للہ! اب وہ وقت دَور نہیں رہا کہ اس کی اشاعت میں ہر مانع دُور ہو جائے۔

اِس تحریک کے بارے میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری نے بھی چند خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ خیالات برعظیم پاک و ہند کی سیاسی تاریخ میں ایک خاص نقطۂ نظر کے ترجمان ہیں۔ ان کے بعض خیالات فکر انگیز

ہیں۔ بعض اظہارات میں انھوں نے دیوبندی، اہل حدیث، مکتبۂ فکر کا دفاع کیا ہے۔ ان کی تحریر کے بین السطور میں ایک غیر جانب دار مورخ کے بجائے ایک پکا نیشنلسٹ بولتا نظر آتا ہے۔ معلوم نہیں پاکستان میں کتنے لوگ ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کریں گے، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ملت اسلامیۂ پاک وہند کی سیاسی تاریخ کے بارے میں ایک مکتبۂ فکر ایسا ہے ضرور جس کی ترجمانی ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری نے کی ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کے مقالے اور تحریک ہجرت کے حوالے سے ڈاکٹر شاہجہان پوری کے وہ خیالات جن کی طرف اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا ہے، نیز مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے دو رسائل اور بعض دیگر بزرگوں کے چند افادات جن کا تحریک ہجرت سے تعلق تھا اور اُن کی اس کتاب میں شمولیت مفید مطالعہ معلوم ہوئی، شامل کر لیے ہیں۔ اس لیے اب یہ کتاب ایک مصنّف کی کاوش کے بجائے کئی مصنفوں کی تحریرات وافادات اور افکار کا مجموعہ بن گیا ہے۔ اس کے باوجود اس مجموعے کے بنیادی مصنّف اور تحریک ہجرت کے مورخ ڈاکٹر معین الدین عقیل ہیں۔

امید ہے کہ ڈاکٹر عقیل کا مقالہ، ڈاکٹر شاہجہان پوری کے خیالات اور اُس کے ساتھ شامل دوسری تحریریں جن میں بیشتر کی حیثیت تاریخی دستاویزات کی ہے، تحریک ہجرت کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر کے مطالعے اور اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت میں مفید اور فکر انگیز ثابت ہوں گی۔

شاہد حسین خاں

۱۸ دسمبر ۱۹۸۹ء

ڈاکٹر معین الدین عقیل

ڈاکٹر معین الدین عقیل اپنے تعارف کے لیے کسی قلم کے رہین منت نہیں۔ ان کے علمی کام ان کا تعارف ہیں اور ان کے کاموں کا معیار و جامعیت ان کے ذوق علمی کی سند ہے۔ ان کے اخلاق کی طرح ان کا مطالعہ بھی وسیع ہے۔ ان کا ذوق پاکیزہ ہے۔ وہ سیاست اور مذہب میں ایک خاص نقطۂ نظر کے مالک ہیں، لیکن ان کے رویے میں توازن ہے۔ وہ دوست شاید سب کے نہ ہوں لیکن دشمن وہ کسی کے نہیں۔ ان کی ایک خوبی یا خامی یہ ہے کہ وہ کسی کی خوبی کا اعتراف تو کر سکتے ہیں، کسی کی خامی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ ان کی شرافت ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل ۲۵ جون ۱۹۴۶ء کو حیدر آباد، دکن (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں والدین کے ساتھ پاکستان آ گئے اور تعلیم کے کل مراحل ابتدا سے انتہا تک کراچی میں طے کیے۔ ۱۹۶۸ء میں انھوں نے کراچی یونی ورسٹی سے اُردو میں آنرز کیا، اسی یونی ورسٹی سے ۱۹۶۹ء میں ایم اے اور ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان کا تعلیمی کیریکٹر شروع سے آخر تک عمدہ رہا۔ ایم اے انھوں نے درجہ اوّل میں پاس کیا تھا اور یونی ورسٹی میں اوّل آ کر بابائے اُردو گولڈ میڈل حاصل کیا تھا۔

وہ مقامی اور عالمی کئی زبانوں سے واقف ہیں۔ اردو زبان تو ان کی مادری زبان ہے۔ وہ انگریزی میں بھی بہترین قابلیت کے مالک ہیں۔ عربی، فارسی زبانوں سے واقف ہیں، اور اطالوی زبان بھی جانتے ہیں۔

عقیل صاحب نے اپنی زندگی کا آغاز ۱۹۷۰ء میں شپ اونرز کالج، کراچی سے

کیا تھا۔ ۱۹۸۴ء میں وہ کراچی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے وابستہ ہو گئے تھے اور اب تک اسی سے منسلک ہیں، درمیان میں ایک سال (۸۷-۱۹۸۶ء میں) اٹلی کی جامعۂ علوم شرعیہ، نیپلز میں اُردو کے وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۱۹۸۰ء کے بعد کئی سال تک وہ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے استاد کی حیثیت سے کراچی ریجن میں طلبہ کی رہنمائی کرتے رہے۔ اوپن یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۸۲ء میں بہترین استاد کا ایوارڈ دے کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔

اب تک تقریباً ڈیڑھ درجن ان کی تصنیفات و تالیفات شائع ہو چکی ہیں اور پچاسوں مقالے مختلف علمی موضوعات پر پاک و ہند کے علمی و تحقیقی جرائد و مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کے موضوعات، ادب، تنقید، شاعری، سوانح، تاریخ، سفرنامہ اور علمی و سیاسی جائزوں، تبصروں اور تحریکاتِ ملی تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اُن کا شمار اردو کے بلند پایہ محققوں اور نامور مصنفوں میں ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کے علم اور مطالعے کی وسعت کے مقابلے میں ہم ان کے افکار و تحقیقات سے بہت کم فائدہ اٹھا سکے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ مقصد اور افادیت کا حامل ہے۔ اس میں تحقیق کی گہرائی بھی ہے اور فکر کی بلندی بھی۔ ان کی نظر موضوعِ تصنیف و تحقیق کے ہر گوشے تک پہنچتی ہے اور ان کا قلم موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔

ان کے موضوعات کی اہمیت اور تصنیفات کے علمی و تحقیقی معیار نے اہلِ علم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ ان کے علمی کاموں کو اصحابِ ذوق اور شائقینِ علم و مطالعہ میں مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ وہ اگرچہ بنیادی طور پر محقق ہیں لیکن وہ ہلکی پھلکی چیزیں بھی لکھتے ہیں۔ وہ زندگی کی حقیقتوں اور صداقتوں کو کہیں نظر انداز نہیں کرتے۔ ان کی تحقیقات و تصانیف ان کے ذوق و فکر کا آئینہ ہیں لیکن ان کے اسلوب

تحریر اور طرزِ نگارش کی دل ربائیوں کی اصل منظر گاہ ان کی ہلکی پھلکی تحریریں ہیں۔
اب تک ان کی تقریباً ڈیڑھ درجن تصنیفات و تالیفات شائع ہو چکی ہیں۔
نامناسب نہ ہوگا کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

۱۔ تحریک پاکستان اور مولانا مودودی: ان کی پہلی تصنیف ہے۔ ۱۹۷۱ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔

۲۔ تحریک آزادی میں اردو کا حصہ: ان کے پی ایچ ڈی کا مقالہ ۱۹۷۶ء میں انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی نے شائع کیا۔

۳۔ اشاریۂ کلام فیض: ایک مختصر و مفید کام۔ ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۴۔ تذکرۂ نکات الشعراء: میر تقی میر کا مشہور تذکرہ۔ عقیل صاحب نے مرتب و مدوّن کرکے ایک مقدمہ کے ساتھ ۱۹۷۹ء میں کراچی سے شائع کروایا۔

۵۔ پاکستان میں اردو غزل: ان کا یہ مفصل مقالہ ۱۹۸۲ء میں رانچی (صوبہ بہار۔ بھارت) سے شائع ہوا۔

۶۔ ایک نادر سفرنامہ: دکن (جنوبی ہند) کے اہم مقامات کے احوال و کوائف میں عبدالغفار خاں کا سفرنامہ ڈاکٹر عقیل صاحب کے مقدمہ و حواشی کے ساتھ مکتبہ اسلوب کراچی نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔

۷۔ مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی: تحریکاتِ ملی کے موضوع پر ریڈیو پاکستان سے ایک طویل سلسلۂ تقاریر کا مجموعہ ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۶ء میں لاہور سے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۸۔ کلام نیرنگ: غلام بھیک نیرنگ کا مجموعہ کلام شاعر کے حالات اور کلام پر تبصرہ و تعارف کے ساتھ مکتبہ اسلوب کراچی سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔

۹۔ دکن اور ایران — سلطنتِ بہمنیہ اور ایران کی علمی و تمدنی روایت: یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔

۱۰۔ اقبال اور جدید دنیائے اسلام — مسائل، افکار اور تحریکات: یہ کتاب مکتبہ

تعمیر انسانیت، لاہور سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔

۱۱۔ پاکستان میں اُردو تحقیق: گزشتہ چالیس میں علمی و تحقیقی کاموں اور ان کی رفتار و معیار کا جائزہ۔ یہ کتاب انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی نے ۱۹۸۷ء میں شائع کی۔

۱۲۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (کتابیات): مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔

۱۳۔ منتخبات اخبار اردو: مقتدرہ قومی زبان کے ترجمان "اخبار اردو" کے پہلے مدیر اعزازی ڈاکٹر معین الدین عقیل تھے۔ انھوں نے مقتدرہ کی درخواست پر اس کے اداریوں اور علمی و تحقیقی مقالوں کا یہ مجموعہ مرتب کیا جسے مقتدرہ ہی نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔

۱۴۔ منتخبات اُردو نامہ: مجلس زبان دفتری، لاہور کے ترجمان "اردو نامہ" کے منتخب مقالات کا مجموعہ ۱۹۸۸ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے شائع کیا۔

ان تصنیفات و تالیفات کے علاوہ ڈاکٹر عقیل صاحب نے علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے لیے ایک نصابی کتاب کی جزوی تالیف میں بھی حصہ لیا ہے (۱۹۸۰ء)، پروفیسر خورشید احمد کے ساتھ "مطالعہ پاکستان کی نصاب بندی" میں حصہ لیا ہے (۱۹۸۵ء) اور "اخلاقی تعلیم" کے عنوان سے سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے لیے بھی ایک کتاب مرتب کی ہے (۱۹۸۶ء)

مذکورۂ بالا علمی کاموں کے علاوہ ان کے بہت سے مقالے ہندوستان اور پاکستان سے شائع ہونے والے مختلف مجموعوں اور اردو انسائیکلو پیڈیا (دہلی) میں شامل ہیں۔

گزشتہ اٹھارہ سال سے ان سے واقف ہوں۔ عقیل ان کے نام کا جزوِ لطیف جس کے بغیر ان کی ذات کا تشخص نمایاں نہیں ہوتا لیکن شاعری ان کے بچپن کا ایک مشغلہ تھا اور لڑکپن میں انھوں نے چند افسانے بھی لکھے تھے جو شائع بھی ہوئے۔ لیکن پھر ان کی دل[illegible] تحقیق و تنقید کی طرف منتقل ہوگئی۔ درحقیقت وہ افسانہ نگار اور

شاعر کے سوا جو کچھ ہیں، وہی ان کی شخصیت ہے اور وہ کچھ کم باعث رشک نہیں۔

وہ "اخبارِ اُردو" (مقتدرہ قومی زبان)، کراچی کے اعزازی مدیر اور نگارِ پاکستان اور مجلہ تعمیر (کراچی) میں شریک ادارت رہے اور ہفت روزہ تکبیر، کراچی کی مجلس مشاورت میں شامل ہیں۔

عقیل صاحب نے ملک اور بیرون ملک ہندوستان، اٹلی وغیرہ میں مختلف سیمناروں میں شرکت کی، دنیا کے بہت سے ملکوں کا سفر کیا، وہاں کے علمی اداروں، کتب خانوں کو دیکھا، ان سے استفادہ کیا اور وہاں کے اہل علم سے ملاقاتیں کیں۔ جن ملکوں کا سفر کیا یہ ہیں: ڈنمارک، مصر، انگلستان، فرانس، مغربی جرمنی، یونان، انڈیا، اٹلی، ناروے، سعودی عربیہ، اسپین، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ۔

ڈاکٹر عقیل صاحب کا مختلف علمی ادبی اداروں سے تنظیمی تعلق رہا ہے اور ان اداروں کو ان کا علمی تعاون بھی حاصل رہا ہے۔ وہ ادارہ یادگار غالب کے شریک معتمد ہیں، غالب لائبریری کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۳ء تک مقتدرہ قومی زبان کی اشاعتی کمیٹی کے رکن تھے۔ ۱۹۸۳ء سے علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کی کراچی ریجن ایڈوائزری کمیٹی کے ممبر ہیں اور ۱۹۸۴ء سے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے ممبر ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کے سلسلہ تصنیفات وتالیفات کی اس وقت آخری کڑی تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء کے موضوع پر ہے۔ اس کتاب کی چند خصوصیات ایسی ہیں، جن پر نظر رہنی چاہیے:

۱۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی وملی زندگی کی ایک اہم تحریک کے موضوع پر تحقیقی کتاب ہے۔

۲۔ اس تحریک کے بارے میں مختلف اشارات اور مختصر بیان تو سیاسی تاریخوں یا سیاسی سوانح میں ملتا ہے، لیکن اس کے بارے میں کوئی جامع تحقیقی کتاب اب تک نہ تھی۔ عقیل صاحب کی یہ کتاب اس موضوع پر پہلی تحقیقی اور جامع الاطراف تصنیف ہے۔

۳۔ اس کتاب میں عقیل صاحب نے نہ تو کسی مبحث کو تشنہ چھوڑا ہے، نہ کتاب کو ضخیم بنانے کے لیے کسی مبحث کو طول دیا ہے۔ اس طرح اِس کتاب میں جو توازن پیدا ہوا ہے وہ اس کی خاص خوبی بن گئی ہے۔

۴۔ اِسی طرح اس کتاب میں نہ مطالب کا اعادہ ہے، نہ تکرارِ مباحث وخیالات۔

۵۔ مصنف کا نقطہ نظر خالص سیاسی ملّی ہے۔

۶۔ مصنف نے اس کتاب میں نہ تو کسی شخص، جماعت یا مسلک کو ڈیفنڈ کیا اور ذمہ داری سے بچایا ہے، اور نہ کسی جماعت یا شخص یا مسلک کی تغلیط یا اس پر الزام تراشی کی ہے۔

۷۔ تحریک کے کسی پہلو پر بحث وتبصرہ میں انھوں نے اپنی رائے کو کم سے کم استعمال کیا ہے۔ ایسے ہر موقعے پر انھوں نے تحریک کے کسی حامی یا مخالف کا حوالہ دینا ضروری سمجھا ہے۔

۸۔ ڈاکٹر عقیل صاحب بات کو گھما پھرا کر کہنے کے عادی نہیں۔ اس لیے ان کی کسی بحث میں کوئی پیچیدگی ہوتی ہے، نہ بیان گنجلک ہوتا ہے۔ اس کتاب کی تحریر بھی صاف، بیان سادہ اور زبان گنجلک سے پاک ہے۔

۹۔ تحریکات ملّی سے انہیں خاص شغف ہے۔ اس کا ثبوت اِن کا وہ سلسلہ تقاریر ہے جو ریڈیو پاکستان سے تقریباً دو سال جاری رہا تھا۔ وہاں ان کے پیش نظر ریڈیو کے سامعین کو تحریکات ملّی سے سرسری طور پر متعارف کرانا تھا۔ تحریک ہجرت کی تالیف میں اپنی تحقیقات اور افکار سے قارئین کو مستفید کرنا مقصد ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کی شخصیت اور ان کے علمی کاموں کے محاسن کا دائرہ ان معروضات کی حد سے بہت زیادہ وسیع ہے لیکن قلت صفحات کا تقاضا ہے کہ اس قصّے کو مختصر اور بیان کو یہیں ختم کر دیا جائے۔

تحریکِ ہجرت

(چند خیالات)

ہندوستان سے مسلمانوں کے عرب و حجاز اور دوسرے ممالک کو ہجرت کرنے کے واقعات تاریخ کے ہر دور میں ملتے ہیں۔ ہجرت کا یہ سلسلہ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے فتویٰ دارالحرب سے پہلے بھی جاری تھا اور بعد میں بھی جاری رہا، لیکن یہ ہجرتیں افراد کی یا زیادہ سے زیادہ خاندانوں کی ہوتی تھیں۔ ہندوستان سے اجتماعی ہجرت کا کوئی واقعہ ۱۹۲۰ء سے پہلے پیش نہیں آیا۔ حالاں کہ مسلمانوں پر ابتلا کے دور اس سے قبل بھی آئے تھے اور بعض اوقات کچھ علاقوں میں ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ لیکن مسلمانوں میں اجتماعی ہجرت کا خیال پیدا نہیں ہوا۔ خیال آیا بھی تو اصلاحِ احوال و جہاد کا۔ البتہ اس صدی کی دوسری دہائی کے آخر میں جب مسلمان ہندوستان میں سات کروڑ سے زیادہ تھے تو ایک اجتماعی ہجرت کی تحریک پیدا ہوئی۔ یہاں اسی تحریک کے بارے میں چند خیالات پیش کیے جاتے ہیں۔

دارالحرب اور ہجرت :

سب سے پہلے شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ کسی ملک کے دارالحرب ہو جانے کے بعد وہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد اور مخصوص حالات کی بنا پر ہجرت کو انھوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ یہی مسلک اُن کے بعد اُن تمام علما کا رہا جو ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کا یقین رکھتے تھے اسی لیے انھوں نے دارالحرب ہند کے حالات بدل لینے اور انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

اولاً: طاقت اور قوت کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار اور برٹش حکومت کا تختہ الٹ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور ایک مدت تک اِسی فیصلے کے مطابق کوشش کرتے رہے۔

ثانیاً: جب حالات نے بار بار طاقت اور قوت کے ذریعے انقلاب لانے کی کوششوں کو ناکام بنا دیا اور تجربات نے اس ذریعۂ انقلاب کو ناممکن ثابت کر دیا تو ہندوستان میں بسنے والی دوسری اقوام کے اتحاد سے آزادی کی تحریک شروع کی گئی۔ یہ تحریک جاری رہی تا آں کہ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہو گیا۔

۱۹۲۰ء کی ہجرت افغانستان:

۱۹۲۰ء کی تحریکِ ہجرت کا تعلق ہندوستان کے دارالحرب ہونے یا نہ ہونے سے بالکل نہ تھا۔ خواہ کسی شخص نے اپنے کسی بیان میں ہجرت کا سبب یہی بتایا ہو۔

۱۹۲۰ء میں مسئلہ یہ نہ تھا کہ چوں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، اس لیے یہاں سے ہجرت کر جانی چاہیے۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسلامی ممالک اور خلافت ترکیہ کے بارے میں برٹش حکومت کے رویے نے ہندوستان کے مسلمانوں کو حالات کے اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ اپنے غم و غصہ کے اظہار اور عالمی رائے عامّہ کو برطانیہ کے مظالم، اس کی وعدہ خلافیوں اور عہد شکنیوں کے خلاف ہموار کرنے کے لیے کوئی اقدام کریں۔

اس سلسلے میں انھوں نے جو اقدام کیے ان میں وفدِ خلافت کا سفر یورپ، عالمی رہنماؤں سے ملاقاتیں، اخبارات میں مضامین کی اشاعت اور اندرونِ ملک جلسوں، جلوسوں کے ذریعے احتجاج، رائے عامہ کی بیداری، حکومت سے عدم تعاون، غیر ملکی اشیاء کا ترکِ استعمال وغیرہ پروگرام میں شامل تھے۔ چوں کہ ترکی خلافت اور اس کے مقبوضات کا انقطاع و غصب صرف مسلمانوں کے لیے ایک ملّی اور اسلامی مسئلہ ہی نہ تھا، بلکہ وقت کا اہم اور خالص سیاسی مسئلہ بھی تھا، جس سے غیر مسلم مدبّر بھی صرفِ نظر نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ برٹش استعمار کے مخالفین خواہ دنیا

کے کسی ملک میں تھے، ان کی تمام تر ہمدردیاں ترکی خلافت کے ساتھ تھیں۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ تحریک خلافت میں مسلمانوں کے خالص ملّی نقطۂ نظر سے شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے عملی میدان میں ان کا تعاون حاصل کرنے اور تحریک کو مؤثر بنانے کے لیے ہندوستان کے لیے سوراج کے حصول کے ایک مقصد کا اضافہ کر کے تحریک خلافت میں ان کی شمولیت کے لیے جواز پیدا کیا گیا اور اس طرح تحریک خلافت کو ایک عظیم الشان تحریک بنا دیا گیا۔ جس نے برٹش استعمار کی جڑیں ہلا دیں۔ ہندوستان کے لیے سوراج کے حصول سے کسی مسلمان کو انکار نہ تھا۔ سوراج کا حصول پہلے ہی سے مسلمانوں کی سیاست کے مقاصد عالیہ میں شامل تھا۔

تحریک ہجرت، خلافت کی تحریک کے دوران میں اُسے مؤثر بنانے کا ایک مزید حربہ تھا۔ یہ تحریک کسی سنجیدہ، مدبّر، عالم دین نے پیش نہیں کی تھی۔ یہ محض ایک پرجوش نوجوان، ناتجربہ کار، علم دین و سیاست سے ناآشنا، تدبر و بصیرت سے محض بے گانہ اور ایک عاقبت نااندیش کے دماغ کی اختراع اور اس کی زندگی کے حادثۂ گرفتاری و سزایابی کا ردِّ فعل تھا۔ لیکن ایسے اسلوب میں اس کے جواز کا فتویٰ پوچھا گیا تھا کہ کوئی عالم دین بھی دوٹوک الفاظ میں اس کے خلاف رائے نہ دے سکتا تھا اور پھر ایسے حالات میں اور ایسے پرجوش انداز میں اُسے شروع کر دیا گیا کہ کوئی عالم دین اس کے خلاف سینہ سپر نہ ہو سکا۔ اس کی رہنمائی کی باگ ڈور بھی کسی مدبّر اور عالم دین کے ہاتھ میں نہ تھی۔

دارالاسلام اور نظریۂ متحدہ قومیت:

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے عقیدے سے نہ متحدہ قومیت کا تعلق تھا نہ پاکستان کی مخالفت کا دونوں میں کوئی رشتہ تھا۔ عام طور پہ اس بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا کہ: متحدہ قومیت کا نظریہ ہے کیا؟ یہ نظریہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے مختلف فرق و مذاہب کے تمام لوگ ہندوستانی ہیں اور اس رشتے سے ہندوستان کی آزادی کی جنگ اور ملک کی تعمیر و ترقی اور استحکام و دفاع کی ذمہ داری میں سب برابر کے شریک ہیں

اور حقوق و مراعات میں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔ ہندوستان میں متحدہ قومیت کا نظریہ کوئی انوکھا نظریہ نہ تھا۔ یہ نظریہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح پاکستان میں بسنے والے مذاہب مختلفہ کے لوگ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، عیسائی ہوں یا پارسی، یہودی ہوں یا آغا خانی، اسمٰعیلی ہوں یا قادیانی یا غیر مسلموں کی کوئی اور جماعت یا فرقہ ہو، سب پاکستانی ہیں اور ملک کی تعمیر و ترقی اور حفظ و دفاع کی ذمہ داریوں میں سب یکساں طور پر شریک ہیں۔ قائد اعظم کے رہنما الفاظ ہیں:

"ہمارے ملک میں بہت سے غیر مسلم بھی آباد ہیں۔ جن میں ہندو، عیسائی اور پارسی شامل ہیں، لیکن یہ سب پاکستانی ہیں، اور ان تمام کو وہی حقوق اور مراعات حاصل ہوں گی، جو اس ملک کے دیگر باشندوں یعنی مسلمانوں کو حاصل ہوں گی اور یہ کہ پاکستان کی حکومت میں ان کو مکمل عمل دخل حاصل ہو گا۔"

یہ "پالیسی کا بڑا اصول" تھا جس کی طرف بانیٔ پاکستان نے رہنمائی کی تھی اور تمام پاکستانیوں کے ان حقوق و مراعات کی ضمانت صرف مملکت سے وفاداری اور شہری حقوق کی ادائیگی کی شرط پر انھیں حاصل تھی۔

یہی اصول آج دنیا کے تمام مسلمان اور غیر مسلمان ملکوں میں رائج ہے۔ اور دنیا کے تمام دستوروں اور آئینوں کا متفقہ اصول ہے اور جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں تو پھر دو ہی کیوں؟ آج دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں مذہبی طور پر دو چار سے زیادہ قومیں نہ بستی ہوں لیکن انھیں ملکی اور وطنی طور پر ایک اور متحدہ قوم ہی تصور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پاکستان میں بھی ہے۔

رہے اختلاف! تو اختلافات تو ایک مذہب کے ماننے اور ایک ملک کے مختلف علاقوں میں بسنے والوں میں بھی ہوتے ہیں اور ایسے اختلافات کہ انھیں دور نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ آئین اور نظام مملکت میں ان کی گنجایش نکالنی پڑتی ہے۔ یہ اختلافات زمین، زبان، تاریخ، روایات، تہذیب، تمدن، عادات، اطوار اور ذوق و مزاج کے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ علاقوں

اور صوبوں کی پیداوار پر ان کا حق تسلیم کرنا پڑتا ہے، اور اگر کسی ایسی پیداوار کو مرکز اپنے انتظام میں لیتا ہے تو اس صوبے کے حق (رائیلٹی) کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اگر کہیں ان اختلافات کو تسلیم کرنے اور حقوق کی ادائیگی سے انکار یا صرفِ نظر کر لیا جائے تو اس سے شدید مسائل اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تمام اختلافات پاکستان ہی کے چاروں صوبوں میں بسنے والے مسلمانوں میں اس درجے اور فطری ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت پسندی کا تقاضا تھا کہ انھیں تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ پاکستان کے تمام آئینوں میں اُن کے حدود و خصائص کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ اُن کے بقا فروغ اور ترقی کے لیے ذرائع و وسائل کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس مقصد سے مختلف علمی، ادبی، تاریخی، تہذیبی، کلچرل ادارے، اکیڈمیاں، سوسائٹیاں اور بورڈ بنائے گئے ہیں جو گزشتہ چالیس سال سے اپنے الگ الگ "امتیازات" کی بقا، فروغ ترقی اور اشاعت و تعارف کے کام انجام دے رہے ہیں۔ کیا کسی نے سوچا ہے کہ یہ صوبوں اور علاقوں کے "امتیازات" کیا ہیں، جن کے بقا اور فروغ کی ضمانت دستور میں دی گئی ہے، اور جن کے بارے میں حکومت کی امداد سے اب تک صدہا تصانیف شائع ہو چکی ہیں سیکڑوں سیمنار، مذاکرے وغیرہ منعقد ہو چکے ہیں اور ان کاموں پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں ان "امتیازات" کا اگر کوئی عنوان سوچا جائے تو "قومیت" کے سوا کچھ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یہ امتیازات واقعی ہیں، حقیقی ہیں، فطری ہیں اور اتنے فطری کہ سندھ کبھی پنجاب اور پنجاب کبھی پختون نہیں ہو سکتا۔ اور بلوچستان اور پنجاب کے امتیازات جو صدیوں سے ہیں، قیامت تک رہیں گے۔

ایک اصولی بات یہ ہے کہ مقدمہ میں فریقین کے دلائل نظیر نہیں بنتے بلکہ مقدمے کا فیصلہ نظیر بنتا ہے اور اسی کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ حوالہ اس بات کا نہ دینا چاہیے کہ مسلمانوں کے مقدمے میں دو قومی نظریے کا نام لیا گیا تھا۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ وقت اور تاریخ کے منصف کی عدالت سے ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کو وہاں کی حکومت کا وفادار رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا اور پاکستان کے غیر مسلموں کو یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ "پاکستان کسی حالت میں مذہبی ریاست نہ ہوگا جہاں

ملّا (علماے دین) خدائی احکام کے نام پر حکومت کریں"
تاریخ کے اسی منصف کی یہ آواز بھی فضا میں گونجی تھی، جس میں اس نئی مملکت کی دستور سازی کا اصل اصول موجود تھا:

"آپ آزاد ہیں اور کاملاً آزاد ہیں کہ اپنے مندروں میں جائیں۔ آپ کو پوری آزادی ہے کہ اپنی مسجدوں کا رخ کریں یا پاکستان کی ریاست میں جو بھی آپ کی عبادت گاہیں ہیں۔ ان میں آزادی سے جائیں۔ آپ کا کوئی بھی مذہب، ذات یا مسلک ہو، ریاست کے امور سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا"

اسی اصول کی بنیاد پر توقع تھی کہ

"کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ کیوں کہ کسی شخص کے ہندو یا مسلمان ہونے کا تعلق تو اس کے نجی عقیدے سے ہے"

ان فیصلوں سے جن اصولوں کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ ریاست کا اس کے باشندوں کے مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یعنی عام لفظوں میں وہ ایک جمہوری سیکولر اسٹیٹ ہوگی۔
۲۔ کوئی مذہبی عقیدہ رکھنا ہر شخص کا نجی معاملہ ہوگا اور کسی شخص کا مذہب کچھ بھی ہو سکتا ہے۔
۳۔ آئین کی نظر میں ریاست کے تمام باشندے یکساں حیثیت کے مالک ہوں گے۔ ان میں مذہبی عقائد کی بنا پر کوئی امتیاز نہ برتا جائے گا۔
۴۔ پاکستان کا کوئی شہری خواہ اس کا مذہب کچھ ہو وہ پاکستان کی متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوگا۔
۵۔ ریاست کے معاملات میں ہر شخص اپنی قومی اور وطنی حیثیت یعنی پاکستانی ہونے کی حیثیت سے یکساں طور پر حصّہ لے سکے گا۔ ریاست کے معاملات میں نہ کوئی شخص ہندو ہوگا، نہ عیسائی، نہ پارسی ہوگا اور نہ مسلمان۔ اگر پاکستان کے مسلمان اور غیر مسلمان، سب ایک متحدہ قومیت کے یکساں

عنصر بن سکتے ہیں تو یہ عمل ہندوستان میں کیوں انجام نہیں پا سکتا؟

متحدہ قومیت کے داعی اگر ہندوستان کو متحد اور متفق رکھنا چاہتے تھے تو ملک کے سیاسی اور مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مفاد میں وہ ایسا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل اتحاد میں تھا تقسیم میں نہیں۔ ان کے پاس اس کے لیے دلائل تھے، جنھیں کبھی فیس (face) نہیں کیا گیا۔ اور آج تک اُن کی صحت اور اس کے برعکس نظریے کی صداقت پر گفتگو کرنے اور گزشتہ بیالیس سال کے تجربات کی روشنی میں انھیں جانچنے اور پرکھنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ متحدہ قومیت کے نظریے کا ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے عقیدے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ متحدہ قومیت کا نظریہ موجودہ جمہوری عہد کا ایک فطری نظریہ ہے جس کو قبول کرنے سے کسی ملک کو مفر نہیں۔ دارالاسلام کی بحث کا محل دوسرا ہے۔

دارالاسلام کے مؤیدین:

ہندوستان میں دارالحرب کے نظریے پر یقین رکھنے والا صرف دیوبندی مکتبہ فکر کا ایک گروپ اور اہل حدیث جماعت کا ایک حصہ تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے تمام علما، تمام مکاتب فکر۔۔۔ خیرآبادی خانوادۂ علمی، بریلوی مکتبہ فکر، فرنگی محل کے علما میں مولانا عبدالحی رحمہ سے لے کر مولانا عبدالباری تک، سرسید کے نام لیوا، ہندوستان کے دارالاسلام ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ انھیں برٹش استعمار میں کوئی خرابی نظر نہ آئی تھی، وہ روز و شب برٹش حکومت کے فضائل و محامد بیان کرتے تھے، انگریزی راج کی برکتوں کو شمار کرتے تھے۔ انگریزی عہد میں انھیں اتنی خوبیاں نظر آتی تھیں اور اسلامی فرائض و واجبات کو بجا لانے کی ایسی آزادی میسر تھی اور ایسے حقوق حاصل تھے، جو انھیں مسلمانوں کی کسی حکومت میں بھی حاصل نہ تھے۔ اسی لیے وہ انگریزی حکام کو "اولوالامر منکم" میں شمار کرتے تھے اور برٹش استعمار کے قیام و استحکام اور اس کے دوام کے لیے خدا کے حضور گڑگڑا گڑگڑا کے دعائیں کرتے تھے۔ بعض حضرت کو تو انگریزی حکومت میں

کوئی بُرائی اور مسلمان حکومت (خلافت ترکیہ) میں کوئی اچھائی نظر نہ آتی تھی۔ ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں قصائد، جارج پنجم کی تخت نشینی کی تہنیت، حتیٰ کہ جلیاں والا باغ (امرت سر) کے ہیرو اور سیکڑوں ہندوستانیوں کے قاتل اور مقرر خونی کی خدمت میں سپاس نامے پیش کیے جاتے تھے۔ اِن حضرات اور مکاتب فکر کے لیے تو ہرگز جائز نہ تھا کہ "دار الاسلام" کی حیثیت کو نظر انداز کر کے ملک کی آزادی اور قیام پاکستان کی تحریک میں سرگرم عمل ہوتے۔ اگر ہندوستان ہی "دار الاسلام" تھا تو پاکستان کے قیام کے لیے تحریک کیا معنے رکھتی تھی؟

دیوبند اور اہلِ حدیث کا انقلابی عنصر:

رہا معاملہ دیوبند اور اہلِ حدیث کی انقلابی جماعتوں کا جو ہندوستان کے دار الحرب ہونے پر ایمان رکھتی تھیں، تو ان کے لیے نہ صرف جائز بلکہ ان پر فرض تھا کہ وہ ہندوستان کی اس حیثیت کو تبدیل کرنے کے لیے سرگرم عمل ہوں۔ بلاشبہ وہ سرگرم عمل ہوئے اور اس راہ میں انھوں نے اپنی جان کی قربانیاں دیں، مال کا ایثار کیا، جائیدادیں ضبط کرائیں، جیلوں کو آباد کیا، زندگی کے عیش و عشرت سے دستبردار ہوئے، جلاوطنی کی زندگی اختیار کی اور اسی حالت میں وطن سے دُور غیر ملکوں میں پیوند زمین ہو گئے، کالے پانی کی سزائیں بھگتیں، جزائر انڈمان کو آباد کیا اور وہیں کی مٹی میں مل کر خاک ہو گئے۔

ان کے سامنے مقصد یہ تھا:

۱۔ غیر ملکی اقتدار سے ملک کو نجات دلائی جائے۔ اس کے لیے انھوں نے انیسوی صدی کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جدوجہد کو جاری رکھا۔

۲۔ ابتدا میں ان کے سامنے فرقہ وارانہ مسئلہ نہ تھا۔ صرف ملک کی آزادی ان کا نصب العین تھا۔ بعد میں انھیں اندازہ ہوا کہ ملک کی آزادی میں خود فرقہ وارانہ مسئلہ رکاوٹ ہے اور اسے ہرگز نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔

۳۔ یہ احساس صرف مسلمانوں ہی کو نہ ہوا بلکہ غیر مسلم بھی اسی نتیجے پر پہنچے۔ چناں چہ نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ عیسائی، پارسی، ہندو، قادیانی رہنماؤں نے بھی تقسیم ملک کی تجاویز پیش کیں۔ اصل اور بنیادی تجویز "ملک کی تقسیم" سب کی ایک تھی۔ فروع میں اختلاف ہوا کہ یہ عمل کیوں کر اور کس طرح انجام پائے۔

۴۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تقسیم ملک کی تجویز کوئی فرقہ وارانہ تجویز نہ تھی۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ مسئلے کا ایک خالص سیاسی حل تھا۔

۵۔ ایک ایسی تجویز جس کے مجوزین میں مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلمان مدبّر موجود ہوں وہ فرقہ وارانہ یا اسلامی تجویز کیوں کر ہو سکتی ہے۔

۶۔ اس پر اس انداز سے بھی نظر ڈالنی چاہیے کہ جس طرح اس کے مجوزین و مؤیدین میں مسلمان اور غیر مسلمان سب شامل تھے، اسی طرح اس کے مخالفوں اور نکتہ چینوں میں بھی بلاتفریق مذہب مسلمان اور غیر مسلمان سب شامل تھے۔

۷۔ پس جس طرح کسی مسلمان مجوز اور مؤید کی وجہ سے کسی چیز کو اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا، ٹھیک اسی طرح اس کی مخالفت کو غیر اسلامی فعل اور اسلام کے خلاف عمل کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے، اور اس عمل کے لیے کسی مسلمان شخصیت یا جماعت کو کیوں کر مطعون کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ فرض کر لیجیے کہ تقسیم ملک کی تجویز کی مخالفت غیر اسلامی اور قابل مذمت فعل تھا تو یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں، قادیانیوں کی حمایتِ تقسیم ملک اور تائیدِ قیام پاکستان خالص اسلامی عمل اور شرعی فعل تھا جو اس کے حامی اور مؤید بجا لائے تھے اور برٹش استعمار، آل انڈیا کانگریس کمیٹی، ہندو سبھا، سکھ لیگ وغیرہ کا پاکستان تسلیم کر لینا نہایت مستحسن فعل تھا جس کے لیے ان کا شکر گزار ہونا چاہیے، اور ان کا نام محسنین پاکستان کی فہرست میں لکھ لینا چاہیے کہ یہی جماعتیں پاکستان کے قیام میں رکاوٹ تھیں اور جب انھوں نے حقیقت اسلامیہ شرعیہ کے سامنے تسلیم و رضا کا سر جھکا دیا تو رکاوٹ دُور ہو گئی اور پاکستان کا قیام ممکن ہو گیا۔

اس گفتگو سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے دار الحرب ہونے سے پاکستان کی مخالفت کا کیا تعلق تھا۔ تاریخ کے ایک واقعے کو جو بن چکا ہے، سیدھے سادے انداز اور صاف لفظوں میں تسلیم کر لینا چاہیے۔ تقسیم ملک یا قیام پاکستان

کی تجویز ملک کی تحریک آزادی کے ایک خاص مرحلے میں ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلے کے ایک حل کے طور پر سامنے آئی تھی۔ مختلف اسباب و دلائل سے اس کی مخالفت ہوئی، مختلف وجوہ سے اُسے تسلیم کر لیا گیا۔ ایسا نہ تھا کہ پہلی تحریک تقسیم ملک کی تھی، اور دوسری تحریک ہندوستان کی آزادی کی۔ ترتیب یہ تھی:

۱۔ ہندوستان کی مکمل آزادی —— متحدہ ہندوستان کی شکل میں۔
۲۔ ہندوستان کی مکمل آزادی —— لیکن فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے لیے تقسیم ملک کے عمل کے ساتھ۔

دونوں صورتیں ہندوستان کی آزادی اور اس کے تمام مسائل کے حل کے لیے تھیں اور بلا تفریق مذہب و ملت دونوں تحریکوں کے پیچھے ملک اور بیرونِ ملک کے مدبر اور سیاست داں تھے۔ کفر و اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔

فتویٰ دارالحرب اور قیامِ پاکستان کی تحریک:

اگر دوسری تجویز اور قیامِ پاکستان کی تحریک خالص مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی تحریک تھی، تو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس تحریک کو اختتام تک پہنچانے اور کامیابی سے ہم کنار کرنے میں ہندو مہاسبھا، کانگریس اور انگریزوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے، جتنا مسلم لیگ کا۔ برصغیر کی آزادی۔ خواہ وہ آزاد ہندوستان کی شکل میں ہو یا پاکستان کے قیام کی صورت میں، درحقیقت تحریک آزادی کا ثمر شیریں ہے۔ اگر آزادی کی تحریک نہ چلتی تو برصغیر آزاد نہ ہوتا اور پاکستان کا قیام بھی عمل میں نہ آتا۔ آزادی کی تحریک کی بنیاد ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کا عقیدہ تھا۔ اس لیے دیوبندی مکتبۂ فکر کی انقلابی جماعت کو بہ شمولِ اہلِ حدیث انقلابیوں کے، جو ہندوستان کو دارالحرب مانتے تھے اور اسی لیے برٹش استعمار کو بہ ہر صورت ختم کر دینا اور حکومت کا تختہ الٹ دینا ان کا نصب العین بنا، خواہ انقلابی عمل کے ذریعے سے ہو، خواہ آئین کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کے ذریعے سے ہو، جس کا ثبوت دونوں جماعتوں نے تحریک کے ہر دور میں ہر دو طریق سے دیا تھا، پاکستان کے محسنوں میں شمار کیا جانا چاہیے، نہ کہ ان حضرات کو جو انگریزوں کو مسلمانوں کا اولی الامر مانتے تھے اور ان کی اطاعت کو مثل اطاعت خدا و رسول اور امیرالمومنین

وخلیفۃ المسلمین کے قرار دیتے تھے۔ جن کے عقیدے میں ہندوستان برٹش استعمار کے عہد میں بھی حسب عہد حکومتِ مغلیہ بدستور "دارالاسلام" تھا۔ اگر ہندوستان دارالاسلام تھا اور برٹش حکام اولوالامر تھے اور ان کی اطاعت مسلمانوں پر ازروے شریعت فرض تھی، تو اس سے روگردانی اور آزادی اور قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لینے والے اسلامی باغی اور خروج کرنے والے (خارجی) قرار پائیں اور لائق تعزیر ٹھہریں گے نہ کہ قابل ستائش۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی تحریک کی حمایت یا اس کی مخالفت کا دارالحرب اور دارالاسلام کی بحث سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے دیا تھا۔ اگر فتویٰ دارالحرب کی مذہبی اصطلاحوں سے قطع نظر کر لیا جائے تو یہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کا اولین اعلان یا چارٹر تھا۔ یہی اعلان تحریکِ پاکستان کی بنیاد بننے کے لائق تھا۔ اس لیے کہ اگر ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار غلط تھا، قبضہ غاصبانہ تھا۔ ہندوستان کی سیاسی حیثیت بدل گئی تھی اور مذہبی اصطلاح میں وہ دارالحرب ہو گیا تھا تو آزادی کی تحریک بھی جائز تھی اور پاکستان کی تحریک کا قانونی جواز بھی تھا۔ اور اگر ہندوستان انگریزوں کے قبضے کے باوجود "دارالاسلام" تھا تو کم از کم ایک مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہ تھا کہ برٹش استعمار کے خلاف ملک کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لے۔

موجودہ ہندوستان ــــ دارالحرب یا دارالاسلام:

موجودہ ہندوستان ایک سیکولر اسٹیٹ ہے۔ لیکن روس کے سیکولرازم سے، جس کی بنیاد مذہب کی نفی پر ہے، اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہندوستان کے سیکولر ہونے کے معنے صرف یہ ہیں کہ مملکت کا کوئی مذہب نہیں۔ لیکن اسٹیٹ کے آئین میں مذہب کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے، مذہبی حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے، عقیدے کی آزادی ہے، ہر شخص کو اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے، مذہبی احکام بجا لانے، مذہبی روایات پر عمل پیرا ہونے کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔ اسٹیٹ کے آئین کے تحت مذہب اور عقیدے کی جو آزادی دی گئی ہے، یہ از قسم رعایت نہیں بلکہ اسٹیٹ کے باشندوں کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر اس حق اور آزادی میں

کسی شخص کا رویہ، حکومت کا کوئی فیصلہ یا کسی قانون کی کوئی شق یا دفعہ رکاوٹ بنے گی تو شخص کا رویہ، حکومت کا فیصلہ اور قانون کی وہ شق تبدیل کی جائے گی۔ موجودہ ہندوستان میں مذہب اور عقیدے کی آزادی کا یہ ایسا حق ہے، جس کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی وجہ سے کوئی ایسا قانون بن بھی جائے تو وہ ہندوستانی شہری کی عقیدے کی آزادی اور حق اختیارِ مذہب کے خلاف قرار پائے گا اور اسے تبدیل کرنا پڑے گا۔ حکومت کو کسی شہری کے عقیدے، مذہبی عمل یا مذہبی روایت میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے، اور اس بات کا فیصلہ کرنا کہ عقیدہ کیا ہے اور مذہب، مذہبی عمل اور روایت کیا ہے اور کیا نہیں، اُس مذہب کے ماننے والے کریں گے نہ کہ حکومت یا اس کا کوئی ادارہ۔

انگریزی عہد میں مذہبی اعمال بجالانے کی ملک کے باشندوں کو جو آزادی تھی، وہ انھیں حق کے طور پر حاصل نہ تھی، بہ طور رعایت کے تھی۔ اختیار اور اقتدار انگریز بہادر کا تھا۔ موجودہ ہندوستان میں اس کے باشندوں کو عقیدے اور مذہب کی آزادی بہ طور رعایت کے نہیں بہ طور حق کے حاصل ہے۔ اب ہندوستان کا ہر شہری خواہ وہ کسی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتا ہو اختیار اور اقتدار کا مالک ہے۔ اور آئین کے مطابق سیاسی عمل میں حصہ لے کر وہ حکومت کے اعلا سے اعلا منصب تک پہنچ سکتا ہے۔

انگریز کے عہدِ اقتدار اور آزاد ہندوستان کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلے تاجِ برطانیہ کے مفاد اور مرضی کے مطابق ملک کے عوام کے حقوق و مفادات، ان کی خواہشات اور ان کی آزادی کو قربان کر دیا جاتا تھا۔ اب ملک کے عوام کے حقِ آزادی اور اختیار و اقتدار کے احترام میں وقت کی بڑی سے بڑی طاقت اور شہنشاہیت کو جھکنا پڑتا ہے۔

برٹش دورِ حکومت میں ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا تعلق ان کے اقتدار و اختیار سے تعلق رکھتا تھا۔ انھیں اختیار تھا کہ وہ جو قانون چاہیں بنائیں اور جس طرح چاہیں نافذ کریں، انہیں اختیار حاصل تھا کہ کسی مذہب کے کسی حکم کو اپنے قانون سے معطل کر دیں۔ ان کے اس اختیار کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ ان کے ایسے

غ

اختیار اور اقتدار کے عمل و نفوذ کی بنا پر ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا تھا۔ آزاد ہندوستان کے اختیار کا سرچشمہ مذہب اور عقیدے کے امتیاز کے بغیر اس کے آئین کے مطابق ہندوستان کے عوام ہیں۔ اب ٹھیک جس طرح ایک غیر مسلم ہندوستان کے بارے میں دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہندوستان اُس کا ہے، بالکل اسی طرح مسلمان یا کسی اور مذہب کو ماننے والی چھوٹی سے چھوٹی جماعت کا فرد پکار کر کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان اُس کا ہے۔ اس لیے کہ آئین میں مذہب اور عقیدے کی آزادی کا اصول یہ ہے:

"تمام ملتوں کو جن سے قوم ہند مرکب ہے، کامل مذہبی آزادی یعنی آزادیِ عقائد، عبادت، تبلیغ، اجتماع اور تعلیم حاصل ہوگی اور یہ آزادی ایک ایسا آئینی حق ہوگا، جس کی ترمیم، تنسیخ، معطلی یا اس میں کسی نوع کی مداخلت کسی حکومت کے لیے جائز نہ ہوگی۔"

ان یکساں حقوق ہی کی طرح ملک کے دفاع اور آزادی کی حفاظت بھی سب پر ایک ہی طرح سے فرض ہوگی اور ہر ہندوستانی کا، عام اس سے کہ وہ ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ یا پارسی یا اور کسی مذہب کا پیرو، یہ مقدس فرض ہوگا کہ وہ بیرونی یا اندرونی حملے کی صورت میں ملک کا دفاع اور سوراج کی حفاظت کرے۔

موجودہ ہندوستان میں مسلمان اور دیگر تمام مذاہب کے ماننے والے ہر طرح کی آزادی کے یکساں حق دار، اختیارات میں برابر کے شریک اور ملک کے دفاع اور آزادی کے تحفظ میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی اجازت اور مرضی کے بغیر آزاد ہندوستان کی عظمت کے ہیکل میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ ہندوستان کی کسی اقلیت یا اکثریت کا مسلمانوں کے خلاف کچھ بھی رویہ ہو، لیکن ان کی اہمیت اور ان کا اختیار یہ ہے کہ اُن کی مرضی کے خلاف ہندوستان کی عظمت کے ضامن، اس کے آئین میں، ایک جملہ تو کیا، کاما اور فل اسٹاپ کی جگہ بھی نہیں بدلی جاسکتی۔ اگر آج عملی زندگی میں مسلمانوں کو یا کسی دوسری مذہبی اقلیت کو مشکلات کا سامنا ہے یا ان کے جائز حقوق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو یہ آئینی اور قانونی طور پر نہیں ہوتا بلکہ یہ قطعاً غیر آئینی فعل ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ حکومت کے غلط کار عمّال یا سوسائٹی کے روایت

شکن اور قانون دشمن ہوتے ہیں۔ اس کا تعلق آئین کی خرابی سے نہیں۔

بر ایں انقلاب حالات اب ہندوستان دارالحرب تو ہرگز نہیں، لیکن اسے دارالاسلام بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، وہ دارالامن بھی نہیں، اس لیے کہ دارالامن دراصل دارالحرب ہی کا ایک درجہ یا غیر مسلم اقتدار کی ایک خوبی ہے۔ موجودہ ہندوستان کے لیے ہمیں کوئی نئی اصطلاح تلاش یا وضع کرنی چاہیے۔

ہجرت کی حالت:

۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی اور جمعیت علماے ہند ——— دو جماعتیں سیاست میں بہت پیش پیش تھیں لیکن ہجرت کے بارے میں اُن کے رہنماؤں سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ جن حضرات نے تحریک شروع کی تھی اُن کے سامنے کوئی منصوبہ نہ تھا، مسئلے کے تمام پہلوؤں پر کسی کی نظر نہ تھی، اُس کے عواقب و نتائج پر کسی نے غور نہ کیا تھا کہ آیا ہندوستان سے تمام مسلمان ہجرت کر جائیں گے یا کچھ لوگ ہجرت کریں گے اور کچھ یہاں رہ کر ملک اور قوم و ملّت کی خدمات انجام دیں گے۔ تمام لوگ کس طرح ہجرت کریں گے، کچھ لوگ جو ہجرت کریں گے ان کے سامنے کیا مقاصد ہیں؟ ہر طرف ایک ہنگامہ برپا تھا، چاروں طرف سے ہجرت، ہجرت کی آوازیں آ رہی تھیں اور افغانستان چلو، افغانستان چلو کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ کوئی رائی دُہائی نہ تھی، ہر شخص دیوانہ بنا ہوا تھا، کوئی نظم و ضبط نہ تھا۔ قومی پیمانے پر ایک عظیم الشان عمل انجام پارہا تھا لیکن فیصلہ ہر شخص اپنے طور پر انفرادی سطح پر کرتا تھا اور ہنگامے میں شریک ہو جاتا تھا۔

ہجرت کے عمل کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی تھی۔ حیدر آباد اور پشاور میں ہجرت کے دفتر قائم کر دیے گئے تھے تاکہ جانے والے وہاں اپنے نام اور پتے لکھوا دیں۔ انھیں کوئی ہدایت نہ دی جاتی تھی کہ وہ افغانستان کن مقاصد کے لیے ہجرت کر رہے ہیں، افغانستان میں کہاں جائیں گے، کیا کریں گے اور خلافت کے مسئلے اور سوراج کے حصول میں کس طرح ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ ان کا ہندوستان سے اور یہاں کے رہنماؤں سے کیا تعلق ہوگا۔ مقاصد کی تعلیم کے لیے کوئی نصاب کسی کے پاس نہ تھا اور نہ ان کی تربیت کے مسئلے پر کسی نے توجہ دی تھی۔ جو لوگ

تحریک میں آگے تھے اور جلسوں میں تقریریں کرتے تھے، انھوں نے سنجیدگی کے ساتھ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور ہی نہ کیا تھا۔ ان میں سے بعض تو فکر و رائے کے آدمی ہی نہ تھے۔ وہ جذبات کو بھڑکاتے اور عمل کا جوش پیدا کرتے تھے لیکن جوش اور قوتِ عمل سے کام لینے کی صلاحیت ان میں بالکل نہ تھی۔

تحریکِ ہجرت اور مولانا آزاد:

تحریکِ ہجرت کے پورے دور اور ہنگامے میں صرف ایک صدائے بصیرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تھی جس میں شریعت کے حکم کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ہمیں ان کی بصیرت افروز رائے اور فتوے کو زیرِ بحث لاتے ہوئے اس حقیقت کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے کہ انھوں نے ہجرت کا ایک نظامِ عمل پیش کیا تھا۔ لیکن یہ نہایت الم ناک بات ہے کہ اس پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ مولانا نے شریعت کے حکم کے ساتھ اس کے طریقۂ کار کو بھی واضح کیا تھا۔ اس سے اس اصول کی نشان دہی ہوتی ہے کہ انفرادی ہجرت کے سوا جو ہر کسی کے ذاتی حالات و مصالح اور ذاتی فیصلے پر مبنی ہوتی ہے، اجتماعی ہجرت کا ہرگز یہ طریقہ اسلامی نہیں کہ ہر شخص اپنے طور پر فیصلہ کرے اور نکل کھڑا ہو۔ قومی اور اجتماعی ہجرت کا فیصلہ اجتماعی حالات و مصالح کے پیشِ نظر کیا جائے گا۔ اس فیصلے کا اختیار بھی جماعت یا جماعت کے اصحابِ رائے یا ان کی کسی مقرر کردہ کمیٹی کو حاصل ہوگا۔ مولانا نے اپنے فتوے میں اس طرف رہنمائی کی تھی کہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر عازمِ ہجرت ہے تو وہ اپنے عزم سے جماعت کو مطلع کرے۔ جماعت غور کرے گی کہ اس کا ہجرت کرنا کس حد تک مفید ہو سکتا ہے یا ہجرت کے مقابلے میں ملک کے اندر رہ کر ملک اور قوم کے بارے میں جماعتی کام بجالانا زیادہ مفید ہوگا؟

چوں کہ یہ حقیقت مولانا کے پیشِ نظر تھی کہ نہ تو تمام مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر جا سکتے ہیں اور نہ سب کا ہجرت کر جانا مقصود ہی تھا۔ ملک کے اندر بھی قومی خدمت کے پروگرام پر عمل کرنا تھا اور ہجرت کر کے بیرونِ ملک ایک محاذ بھی قائم کرنا تھا۔ مولانا نے ہجرت کے فلسفے کی تائید کی۔ یہ قوموں کی ترقی ان کے نشوونما ارتقا اور ان کے بقا و استحکام کے لیے ایک عظیم الشان عمل ہے۔ مولانا کا مضمون

"قانونِ ہجرت اور آثارِ متمدن" جو "افکارِ آزاد" میں شامل ہے، درحقیقت فلسفہ و حکمتِ ہجرت پر ایک بے نظیر مضمون ہے۔ لیکن یہ ایک فلسفیانہ مضمون ہے، نہ سیاسی ہے نہ خالص دینی۔ ۱۹۲۰ء کی تحریکِ ہجرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ۱۹۲۰ء میں ہندوستان سے ہجرت کے باب میں انھوں نے جو رہنمائی کی تھی، اس کی تفصیل مولانا کے مضمون "اعلان" میں موجود ہے۔ اسی مضمون کا وہ ٹکڑا ہے جو فتوے کی حیثیت سے اہلِ حدیث، امرتسر میں شائع ہوا تھا اور اب "تبرکاتِ آزاد" میں شامل ہے، اس مضمون سے ہجرت کے جس طریقِ عمل کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، یہ ہے:

۱۔ عازمِ ہجرت کے حالات اور صلاحیتوں کی روشنی میں مسئلہ خلافت کے حل اور سوراج کے حصول کے مقاصد و منافع کے پیشِ نظر ہجرت کا فیصلہ جماعت کرے گی۔

۲۔ ہجرت کرنے سے پہلے ہجرت کی بیعت ضروری ہے۔

اگر ہجرت کا عمل اس طریقۂ کار اور ان شرائط کے مطابق انجام پاتا تو نظم و ضبط بھی پیدا ہو جاتا اور فوائد یقینی اور نقصانات کم سے کم ہوتے۔ لیکن معلوم ہے کہ ہجرت کے جوش اور ہنگامے میں اِن اصول و شرائط کی کسی نے پروا نہ کی اور ایک الم ناک صورتِ حال سے قوم کو دوچار ہونا پڑا۔ ایسی صورت میں کہ کوئی اجازت یا فتویٰ مشروط ہو تو شرائط کی تکمیل کے بغیر اس پر عمل کے نتائج کی ذمہ داری، خواہ مثبت ہوں خواہ منفی، صاحبِ اجازت یا مفتی پر عائد نہیں ہوتی بلکہ فتوے کا شرائط کی تکمیل کے بغیر نفاذ ہی نہیں ہوتا۔ غلط یا صحیح نتائج کی ذمہ داری کا کیا سوال؟

مجھے یقین ہے کہ مولانا آزاد تحریکِ ہجرت کے حق میں ہرگز نہ تھے، لیکن انھوں نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی طرح چناں و چنیں کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے دو ٹوک انداز میں صحیح شرعی صورتِ حال بیان کر دی۔ انھوں نے فتویٰ ہجرت کی، جو جاری کیا گیا تھا، مخالفت بھی نہ کی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ایک نئی بحث شروع ہو جاتی اور ایک مذہبی مسئلے میں نزاع سے فائدہ کم اور مسلمانوں میں انتشارِ ذہنی و فکری کا نقصان زیادہ ہوتا۔ مولانا کے فلسفۂ عمل کی یہ خاص بات ہے کہ اپنی کسی رائے کے اظہار سے وہ کوئی مذہبی نزاع نہ پیدا کرتے تھے۔ البتہ جب ہجرت کے باب میں قطعی رائے

کا اظہار ناگزیر ہوگیا تو انھوں نے علی الاعلان اس کا اظہار کیا۔ چناں چہ اس سلسلے میں مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم کا ایک خط اس مجموعے میں ملاحظۂ گرامی میں آئے گا۔ مولانا کا وہ فتویٰ ہی ہجرت کے عمل میں سرگرمی کا نہیں رکاوٹ کا باعث بنا تھا اور بعد کی واضح اور دو ٹوک رائے نے تو تحریکِ ہجرت کے عمل میں میخ ٹھوک دی تھی۔

اس بات کو بھی بالکل نظر انداز نہ کر دینا چاہیے کہ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ تحریک انگریزوں کے ایما پر شروع کی گئی تھی۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہ کرنا چاہیے۔ تحریکِ خلافت کے زمانے کے ہندو مسلم مثالی اتحاد کو توڑنے کے لیے کسی ایسے ہی عمل کی ضرورت تھی جس کی ہندو تائید کریں یا مخالفت ــــ دونوں صورتوں میں بدگمانیاں یکساں طور پر پیدا ہوں۔

تحریک کی بعض شخصیات :

مولانا عبد الباری فرنگی محلی، علمائے ہند میں غیر معمولی ذہانت کی شخصیت کا نام ہے۔ ان کا اخلاص ہر شک و شبہ سے پاک اور ان کا جذبہ خدمت علی العموم بے میل تھا۔ وہ نہایت مخلص، بے ریا اور لوث و حرص سے پاک قلب کے مالک تھے۔ لیکن طبیعت میں استقلال اور رائے میں اصابت نہ تھی۔ دوسروں کی رائے سے بہت جلد متاثر ہو جاتے اور گومگو کی حالت میں پڑ جانے والے بزرگ تھے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہجرت کے وجوب و عدم وجوب کے مسئلے میں شروع سے آخر تک گومگو کی کیفیت اور چناں وچنیں کی حالت سے نکل نہ سکے۔ ان کے فیصلوں پر خود ان کے مریدین و مخلصین، مثلاً مولانا شوکت علی و مولانا منیر الزمان اسلام آبادی کو اعتماد نہ تھا۔

فتویٰ ہجرت کے سلسلے میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام بھی آیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان میں آخر الذکر کے سوا کوئی عالم دین ہی نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے فتویٰ نویسی کا شغل کبھی اختیار نہیں کیا۔ یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ فکر و تدبر ان میں سے کسی کی سیرت کا جوہر تھا ہی نہیں۔ مولانا محمد علی تو اس وقت ہندوستان میں موجود بھی نہ تھے، وہ وفدِ خلافت کے ساتھ یورپ گئے ہوئے تھے۔ یورپ سے لوٹے تو ہنگامۂ ہجرت سرد پڑ چکا تھا۔ ہوتے

بھی تو دونوں بھائی جوشِ وجذبات کے پروردہ تھے۔ اور تعقل وتدبّر کی عین ضد۔
مولانا ظفر علی خاں کی ذہانت وفطانت کے باب میں دو رائے نہیں ہوسکتیں، لیکن وہ صرف شاعر تھے۔ ان کی شخصیت کا اصل جوہر اصابت رائے نہ تھا۔ وہ تحریک کے مقصد اور حالات سے محض بے خبر تھے۔
ہجرت کے باب میں ان حضرات کی کسی رائے کا حوالہ ان کے مقام سے محض ناآشنائی کا ثبوت ہے۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری دیوبند کی انقلابی جماعت کے خطیب تھے، ان کے فضائل ومحامد کا دائرہ بہت وسیع تھا لیکن ان کی اصل خصوصیت اور سیرت کا اصل جوہر عزیمتِ دعوت اور استقامتِ عمل میں تلاش کرنا چاہیے۔
عزیز ہندی ایک جذباتی نوجوان تھے۔ ان میں نہ سیاسی شعور تھا، نہ کسی مدبرانہ صلاحیت کے مالک تھے، نہ عالم دین تھے، نہ دانشور، نہ مدبّر وسیاس۔ نہ ان کی تعلیم مکمل تھی نہ انھیں سیاسی ودینی کاموں کا تجربہ تھا۔ انھوں نے جو کچھ کہا وہ ایک نوجوان کے جذبات کا ہر جوش انفجار تھا اور جو کچھ لکھا وہ حالات و واقعات کے سلسلے میں کتنا ہی درست اور مفید مطالعہ کیوں نہ ہو، سیاسی حالات و واقعات کے تجزیے اور ہجرت کے فلسفے اور اس پر حکیمانہ تبصرے کے باب میں ہرگز لائق اعتنا نہیں، اس کا حوالہ محض بے سود ہے، انھوں نے خود اعتراف کیا تھا:

"ابھی ہجرت کی تحریک شروع نہیں ہوئی تھی اور نہ میں نے ابھی اس کا اعلان ہی کیا تھا اور نہ میں اس وقت تک جانتا ہی تھا کہ اسے کب اور کیسے شروع کر سکوں گا۔ کچھ بھی ہو میں ملک کے اندر اس وقت کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا۔ میں ایک معمولی پڑھا لکھا نوجوان تھا جسے وقت کے سیاسی اور دینی بحرانوں نے سطح پر لا ابھارا تھا۔"

کوئی رہنما انھیں منہ نہ لگاتا تھا اور نہ ان پر کوئی اعتماد کرتا تھا، خود اُن کے ذوق ومعیار پر بھی کوئی پورا نہ اترتا تھا۔ مولانا آزاد سے بیعت کی تو اطاعت سے انحراف کیا، مولانا ظفر علی خاں، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا فضل الٰہی وغیرہ کو "استعمال کرنے" کے زعم میں مبتلا تھے، ہجرت کے بارے میں کسی فتوے اور رہنمائی کے بغیر تبلیغ اور تحریک

شروع کردی تھی، مولانا فضل الٰہی نے گفتگو میں احتیاط برتی تو ناراض ہو گئے۔ بھلا کہاں مولانا فضلِ الٰہی کی تبلیغ و تربیت سے جہاد و ہجرت کے لیے تیار ہونے والے چند مردانِ کار اور اصحاب عزیمت اور کہاں مقاصدِ وقت سے محض ناآشنا اور ایک غیر شرعی و جاہلی زندگی کے پروردہ اور خام کار چند سو ــــ ان اصحابِ عزیمت کے سامنے چند سو تو کیا ہزاروں کی بھیڑ کی بھی کیا حقیقت تھی۔ اور کہاں مولانا فضل الٰہی کا مقام عزیمت دعوت اور کہاں "وقت کے سیاسی ہنگاموں اور دینی بحرانوں کی پیداوار" چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص اپنے ذوقِ جہالت کے پیمانے سے سلطانِ وقت اور اسکندرِ عزم حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریک اصلاح و جہاد کے نتائج اور اس کے اصحاب عزیمتِ دعوت کے کارناموں کی پیمائش کر رہا تھا۔

عزیز ہندی جواں سال تھے، جلیاں والا باغ کے واقعات کے سلسلے میں گرفتار ہوئے، بیس سال کی سزا کے حکم نے حواس باختہ کر دیا، ہمت اور برداشت نے جواب دے دیا۔ خدا سے عہد باندھا کہ اگر رہا ہو گئے تو اپنی زندگی اس کے لیے وقف کر دیں گے، لیکن علم، بصیرت، زندگی کے تجربے اور وقت کے کسی عالم دین اور مدبّر کی رہنمائی کے بغیر تحریکِ ہجرت شروع کر دی۔ بعض حالات کا سامنا کرنا پڑا تو فتوے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ فتویٰ پوچھا تو اس لیے نہیں کہ دینی تعلیمات اور شریعتِ مطہرۂ اسلامیہ کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل مرتب کریں، بلکہ اپنے فیصلے اور عمل کی توثیق کے لیے۔

گاندھی جی اور تحریک ہجرت :

جمعیت علمائے ہند کے پس پشت ہندو رہنماؤں اور ہندو صحافت کا کبھی کوئی اثر نہیں رہا۔ "جمعیت" علمائے ہند کا ایک مقتدر ادارہ تھا۔ اس کے فیصلے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی اور ملک اور مسلمانوں کے مفاد میں ان کی اپنی صواب دید پر ہوتے۔ برٹش استعمار کے خلاف اس نے ملک کی انقلابی قوتوں کا ہمیشہ ساتھ دیا اور بارہا اُن کے فیصلوں سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا۔ مجلس خلافت مرکزیہ کے مقاصد میں مسئلہ خلافت کے تصفیہ کے ساتھ سوراج کی شق کا اضافہ خدانخواستہ ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے ہرگز نہ ہوا تھا، بلکہ اس وقت کے تمام مسلم اکابر اس بات پر متفق نہ تھے کہ اسلام کی آزادی کے لیے ہندوستان کی آزادی قطعی ضروری ہے۔ بہ قولِ

مولانا محمد علی :

"اگر تمہیں (مسلمانوں کو) ہندوستان سے کچھ سروکار نہیں، صرف حرمین، بیت المقدس اور عرب کی حکومت کافروں (انگریزوں) سے واپس لینی ہے، تو پہلے ہندوستان کو سوراج دلا دو"

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی یہی کہا تھا کہ ہندوستان کی آزادی پر اسلامی ممالک کی آزادی کا دارومدار ہے۔ گاندھی جی کا بھی یہی کہنا تھا کہ ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد انگریز ایشیا میں کہیں نہ ٹک سکے گا۔

تحریکِ خلافت کے لیے جو پروگرام بنائے گئے تھے، انھیں خالص سیاسی بنیادوں میں چلایا گیا تھا۔ یہ پروگرام خلافت اور سوراج کے رہنماؤں کے مشوروں اور کانگریس، خلافت کمیٹی اور جمعیت علمائے ہند کے فیصلوں کی روشنی میں بنائے گئے تھے۔ لیکن اس میں دینی پہلو سے مسئلہ خلافت کی تعبیر و تشریح صرف علمائے ہند کی ذمہ داری تھی اور وہی اس سے عہدہ برآ ہوتے تھے، تحریک کے اس پہلو سے گاندھی جی یا کسی اور غیر مسلم رہنما کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے باوجود گاندھی جی کو دو باتوں کے لیے سب سے زیادہ مطعون کیا گیا ہے۔

۱۔ تحریکِ ہجرت کی حمایت کرنے میں، ان کے عمل کو مسلمان دشمنی سے تعبیر کیا گیا۔ گویا کہ ہندو ہونے کی حیثیت سے ہندوستان میں مسلمانوں کی قوت توڑنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ لیکن انھیں اس الزام سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ تحریک ہجرت کی مخالفت کرتے تو ایک اسلامی عمل میں رکاوٹ ڈالنے کا مجرم قرار دیا جاتا۔ جب کہ مسلمان علما اور رہنما بھی تحریکِ ہجرت کے مویدین اور مخالفین کے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ گاندھی جی کسی گروہ کی بھی حمایت کرتے، دوسرا گروہ انھیں الزام دینے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ خصوصاً برطانوی استعمار کے ایجنٹ کسی معاملے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد دیکھ ہی نہ سکتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا مشن ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں غلط فہمیوں کا فروغ اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانا تھا۔ ان کی حکومت کی بقا کا انحصار ہی

ہندو مسلم اختلاف پر تھا۔

جو حضرات تحریک ہجرت میں گاندھی جی کے رویے کے خلاف تھے، وہ تحریک خلافت ہی کے کب مؤید اور حامی تھے؟ ایک مذہبی مکتبہ فکر کے علما نے تو عثمانیوں کے حق خلافت ہی کے خلاف بحث چھیڑ دی تھی، اتحاد و ترقی کے ترکی زعماء پر کفر و بے دینی کے فتوے صادر کر دیئے تھے اور ترکی مقبوضات پر دول متحدہ کے تصرف میں ان کے لیے جواز مہیا کر رہے تھے، ایک فرقے کے رہنما نے ترکوں کو یورپین ترکی چھوڑ دینے اور ایشیائی ترکی پر قناعت کر لینے کا مشورہ دیا تھا جب کہ درۂ دانیال اور قسطنطنیہ پر دول متحدہ کا قبضہ تھا اور خلیفۂ وقت حراست میں تھا۔ یعنی صورت حال یہ تھی کہ یورپین ترکی ترک خوشی سے چھوڑ دیں اور ایشیائی ترکی کے دارالخلافہ قسطنطنیہ پر وہ زبردستی قبضہ کر کے خلیفہ کو حراست میں لے لیں۔ پھر ترکی کہاں رہا، اور مسلمانوں کا ایک سیاسی مکتبۂ فکر اور تعلیمی مرکز تو ترکی کے کسی معاملے میں مداخلت کرنے اور تحریک خلافت ہی کا سرے سے مخالف تھا۔

اگر گاندھی جی بریلوی، آغا خانی یا علی گڑھ کے مذہبی و سیاسی مکاتب فکر کے ہم رائے ہوتے تو کیا ان حضرات کے مطابق ان کا عمل "اسلامی خدمت" قرار پاتا۔

۲۔ تحریک خلافت ہی کے باب میں پروگرام کے خاتمے کی ذمہ داری کے حوالے سے بھی گاندھی جی کو بہت مطعون کیا گیا ہے۔ مخالفین کا خیال ہے کہ گاندھی جی نے تحریک کو ختم کر کے خلافت کے مقاصد کو نقصان پہنچایا۔ لیکن جو حضرات اس باب میں گاندھی جی کو الزام دیتے ہیں وہ خود تحریک خلافت کو مسلمانوں کے مفاد میں کب سمجھتے تھے، اور تحریک خلافت کے مسلمان رہنماؤں کے بارے میں ان کی رائے اس سے مختلف کب تھی؟ مخالفین کی ایک جماعت تو ان مسلمان رہنماؤں کو مسلمان ہی نہ سمجھتی تھی۔ ان کے فتوے موجود ہیں۔ اگر گاندھی جی نے تحریک خلافت کا پروگرام "ترک موالات" ختم یا معطل کر دیا

تھا تو اُن کے نقطۂ نظر سے تو گاندھی جی کا عمل اسلامی اور مسلمانوں کی خدمت شمار کیا جانا چاہیے۔

گاندھی جی تحریکِ ہجرت کے مؤید تھے تو گویا مولانا عبدالباری، محمد علی، شوکت علی، ظفر علی خاں، عزیز ہندی وغیرہ کے ساتھ تھے اور اگر وہ تحریک کے مخالف تھے تو محمد علی جناح، اقبال، خلیق الزماں، (سر) محمد شفیع، (سر) فضل حسین وغیرہم کے ہم خیال تھے۔ اگر اُن کی موافقت یا مخالفت کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی سے تھا تو آئیے ان سب بزرگوں کی "اسلام دوستی" کے بارے میں فیصلہ کر لیں۔

یہ نہ سمجھیے کہ گاندھی جی تحریک کو جاری رکھنے کا مشورہ دیتے، تحریک جاری رہتی اور تحریک کو برٹش ڈپلومیسی نقصان پہنچاتی تو گاندھی جی پر کوئی الزام نہ آتا۔ اس وقت کا الزام یہ ہوتا کہ گاندھی جی نے مسلمانوں کو مروا دیا اور تحریک کی لٹیا ڈبو دی، اور یہی ان کا مقصد بھی تھا!

اس چیز کو بھی نظر انداز نہ کر دینا چاہیے کہ گاندھی جی نے تحریکِ خلافت کو ختم نہیں کیا تھا۔ اس کے پروگرام "ترکِ موالات" کو واپس لیا تھا۔ اس لیے کہ ترکِ موالات کو "عدم تشدد" کی شرط کے ساتھ چلانا، اہم رہنماؤں کی عدم موجودگی میں، ان کے گرفتار ہونے اور جیل چلے جانے کی وجہ سے ممکن نہ تھا۔

رہے وہ حضرات جو تحریکِ خلافت کے مؤید اور کسی درجے میں اس کے رہنما تھے، تو بلاشبہ ان میں سے بعض حضرات "پروگرام" (نہ کہ تحریک) کے خاتمے کے حق میں نہ تھے، لیکن جب کانگریس کے اجلاس میں گاندھی جی کی تحریک "پروگرام" کے تعطل کے بارے میں پاس ہوئی تو،

۱۔ اوّل تو کانگریس کا فیصلہ حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور کئی دوسرے مسلمان مدبرین کے اتفاق سے کیا گیا تھا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ جب تک مرکزیہ خلافت کمیٹی کے اجلاس بمبئی اور جمعیت علمائے ہند کے اجلاس اجمیر میں "پروگرام کے تعطل" کی توثیق نہیں کی گئی، اس تحریک پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ پھر اگر تحریکِ خلافت سے پروگرام کے

تعطل کی تجویز اور فیصلے کے مجرم تھے تو گاندھی جی ہی کیوں ؟ کانگریس کے تمام مسلمان ارکانِ مجلسِ عاملہ، خلافت کمیٹی کے تمام ارکان جو سب مسلمان تھے اور جمعیت علماے ہند کے تمام علما جو دیوبند، فرنگی محل، بدایوں، خیرآباد کے خانوادہ ہاے علمی اور اہلِ حدیث کے مکتبۂ فکر کے نمایندوں پر مشتمل تھے، سب مجرم ٹھہرے!

ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفریق اور بدگمانیاں پیدا کرنے کے لحاظ سے تو یہ ایک نہایت موثر حربہ تھا لیکن عقل و انصاف کی عدالت میں زیرِ بحث لانے کے نقطۂ نظر سے یہ ایک نہایت بودا دعویٰ تھا۔

ہجرت کے مختلف واقعات:

ہندوستان سے ہجرت اور عرب و حجاز اور مختلف اسلامی ممالک میں قیام و سکونت کے واقعات مسلمانوں کے عہدِ حکومت کے مختلف ادوار اور تاریخ کے ہر دور میں ملتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان کی سکونت کا ترک اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ یا جزیرۃ العرب کے کسی مقام و شہر میں یا کسی اور ملک میں قیام و سکونت کے واقعات پر "ہجرتِ نبویہ کے تتبع" کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور اسے ہجرتِ اسلامی کہا جا سکتا ہے ؟ صدیوں پر پھیلے ہوئے سیکڑوں واقعات جو ہجرتِ مقدسہ کے رسم و عنوان ہی سے موسوم و معنون ہیں، ان کے عازمین کے اخلاص و نیت کے بارے میں بہ یک جنبشِ قلم کوئی فیصلہ نہیں کر دیا جا سکتا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ترکِ سکونتِ ہندوستان کا سبب خواہ کچھ ہو اور یہ ترک فرار، اخراج یا کسی اور مصلحت کے ضمن میں کیوں نہ آئے، لیکن قیام و توطن کے لیے دوسرے مقامات و ممالک پر مکہ و مدینہ اور عرب کو ترجیح دینا بھی ذوقِ دینی کا ثبوت اور ایک خاص شرف و فضیلت کی بات ہے۔

یہاں پر دو باتوں کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ ۱۹۲۰ء کی ہجرتِ افغانستان نہ اسلامی ہجرت تھی اور نہ حالات کی سنگینی میں مظلومانہ فرار تھا۔ یہ محض ایک حادثہ تھا اور ایک ایسا عمل جس کا عنوان مذہبی اور مقاصد سیاسی تھے۔ ممکن ہے عازمینِ ہجرت میں ایسے سادہ دل موجود ہوں جو اسے ایک خالص دینی اور اسلامی عمل سمجھتے ہوں بلکہ یقیناً

ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص نیت کے ثواب کو ہرگز ضائع نہ فرمائے گا، لیکن فی الواقع نہ تو یہ اسلامی عمل تھا اور نہ اس سے ہندوستان میں اسلامی زندگی کو کوئی فائدہ پہنچا۔ یہ ہندوستان کی قومی و ملی زندگی کا ایک حادثہ تھا جو پیش آیا اور اس کے نتائج خواہ کچھ نکلے ہوں، ملی تاریخ میں اس کا ذکر ناگزیر ٹھہرا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ۱۹۲۰ء کی ہجرت کا واقعہ، ۱۸۳۰ء میں اصلاح و جہاد کی ناکامی کے بعد سے لے کر ۱۹۱۵ء تک ہندوستان سے ہجرت کے مختلف واقعات سے، اپنے پس منظر، مقصد اور نتائج میں بالکل جدا حیثیت رکھتا ہے۔ اسے کسی اور واقعے سے ملا نہ دینا چاہیے حتیٰ کہ ۱۹۱۵ء میں لاہور سے طلبہ کی ہجرت کے واقعے کو بھی اس سے الگ رکھنا چاہیے۔

مولانا عبید اللہ سندھی :

مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ساتھیوں کا سفر افغانستان یا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے حجاز جانے کے واقعات کا تعلق ملک کی آزادی کے ایک الگ انقلابی منصوبے سے تھا۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ہجرت کے مبادی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ جس طرح مولانا سندھی کا ہندوستان سے افغانستان جانا تحریک ہجرت سے تعلق نہ رکھتا تھا، اسی طرح ان کے افغانستان چھوڑنے کا پس منظر بھی کسی کمیونسٹ نوجوان سے تعلقات نہ تھے۔ مولانا سندھی ہندوستان کی آزادی کا ایک انقلابی منصوبہ لے کر افغانستان گئے تھے، انھوں نے وہاں آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت بنائی تھی، جنودِ ربانیہ کے نام سے ہندوستان کی نجات دہندہ فوج قائم کی تھی، برٹش انڈیا پر افغانستان کے حملے میں انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے اہم رول ادا کیا تھا اور افغانستان کی کامیابی اور آزادی میں ان کا حصہ تھا۔ اب جب کہ افغانستان اور برٹش انڈیا میں معاہدہ طے پا گیا تھا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ مولانا کو انگریزوں کے خلاف وہاں بیٹھ کر کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ ہاں اگر مولانا سندھی اپنی تحریک سے دست بردار ہو جاتے تو ان کے لیے افغانستان میں قیام کی پیش کش موجود تھی، لیکن مولانا اپنے منصوبے کو ترک کر لینے کے لیے تیار نہ

تحریکِ ہجرت اور اس کے اثرات :

تحریکِ ہجرت کے سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس سے ہماری قومی اور سیاسی زندگی کو فائدہ پہنچا یا نقصان؟ جس طرح سیلاب آتا ہے تو تباہی و بربادی اس کے جلو میں آتی ہے، لیکن اپنے پیچھے زرخیزی چھوڑ جاتا ہے اور بارش جب زمین کے لیے حیاتِ تازہ کا پیغام لے کر آتی ہے تو بعض اوقات کھیتیاں تباہ و برباد بھی ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کسی قوم کی زندگی میں تحریکیں ہوتی ہیں۔ بعض تحریکیں سیلاب کی طرح ہوتی ہیں۔ بعض کی مثال بارش میں ڈھونڈھنی چاہیے۔ اُن کے نفع و نقصان کے اندازے کے لیے کوئی پیمانہ ایجاد نہیں ہوا جس سے ناپ کر فیصلہ کر دیا جائے کہ اتنا نفع ہوا اور اتنا نقصان۔

تحریکِ ہجرت کی بدولت قوم کو بہت نقصان اٹھانے پڑے، سیکڑوں خاندان تباہ و برباد ہو گئے، لیکن اس واقعے سے ملک کی آزادی اور اسلامی ممالک کی آزادی اور ان کی سیاست سے برصغیر کے مسلمانوں کی دل چسپی کا اندازہ بھی ہو گیا اور اس سے یہ بھی پتا لگ گیا کہ مسلمان قومی اور ملّی زندگی کے قیام و استحکام کے لیے ایثار و قربانی کی راہ میں کتنی دُور تک جا سکتے ہیں اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

اس تحریک کی وجہ سے جو نقصانات ہوئے تھے، ان میں برٹش استعمار کے حصے کو بھی نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ اس تحریک کو درپردہ ناکام بنانے کے لیے اندرونِ ملک سے بیرونِ ملک تک برٹش استعمار کے ہزاروں ایجنٹوں نے کام کیا تھا۔ ان ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں نے مہاجروں میں تفریق پیدا کی، ان کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے بدظن کیا، ان کے مابین نفرتوں کے بیج بوئے، ہندوستان میں مسلمانوں کو ہجرت پر اکسایا اور افغانستان میں مقامی اور غیر مقامی کا مسئلہ پیدا کیا، اختلافات کو ہوا دی، مقامی حضرات کو مہاجروں کے خلاف بھڑکایا تا ملک کے لیے ان کے وجود کو مصیبت ٹھہرایا، زمینوں کے دیے جانے، ان کے روزگار فراہم کرنے اور سرکاری دفتری نظام میں ان کی خدمات کو مقامی لوگوں کے حقوق پر ڈاکا اور استحصال ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح ہجرت سے سندھ اور سرحد کے مسلمان خاندانوں کو جتنا نقصان پہنچا تھا، اس سے کہیں زیادہ نقصان

برٹش حکومت کے ایجنٹوں نے تحریک ہجرت اور قومی و ملی زندگی کو پہنچایا۔

انگریزوں نے ملک کی ایک نامور مسلمان اور ذہین شخصیت کو افغانستان میں بطور سفیر بھیج کر تحریک کو سبوتاژ کرانے کا پروگرام بنایا تھا۔ آخر انگریز ایسا کیوں چاہتا تھا، مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لیے یا وہ اپنے مفاد میں تحریک کو سبوتاژ کرنا چاہتا تھا؟

ہمیں ہجرت جیسی ملی تحریک کے نفع و نقصان کو صرف سندھ اور سرحد کے میدانوں میں تلاش نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ یہ بھی سوچنا چاہیے کہ تحریک ہجرت سے افغانوں کی سیاسی بیداری کا ایک دور شروع ہوا۔ افغانستان کی آزادی کی تحریک میں ہندوستانی انقلابی عنصر کی شمولیت سے قوت پیدا ہوئی اور افغانستان سے برٹش حکومت کی صلح اور ایک باعزت سمجھوتے میں اس پر دباؤ بڑھا، افغانستان کو ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے خلاف استعمال کیے جانے کا آیندہ کے لیے سدِ باب ہوگیا۔

تحریک ہجرت کو ایک جنون ہی تصور کر لیا جائے، تب بھی یہ سراسر نقصان کا سودا نہ تھا۔ اس کی بدولت مسلمانوں کی تحریک خلافت اور ہندوستان کی تحریک استقلال کا شہرہ دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔

تحریک ہجرت کا ایک اور فائدہ ہوا۔ ایسا فائدہ جو خلافت کے وفد یورپ سے بھی نہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ تحریک ہجرت کی بدولت ہندوستان کے عوام اور مسلمانوں کی بے چینیوں، ہندوستان کے سیاسی مسئلے اور آزادی کی جدوجہد اور اس کے مقاصد سے ایران، روس اور ترکی کے لوگوں کو قریبی بلکہ براہِ راست واقفیت ہوئی۔ تحریک آزادی ہند میں ایک انقلابی عنصر کا اضافہ ہوا۔ اس عنصر کا تعلق بیرونِ ملک کی ایک انقلابی فکر اور جماعت سے تھا۔ اس کے دو فائدے ہوئے:

۱۔ روس کی انقلابی حکومت کو ہندوستان کی آزادی کے مسئلے سے گہری دلچسپی اس کے بعد ہی ہوئی۔ اور یہ اسی کا اثر تھا کہ

۲۔ حکومتِ ہند اور برٹش استعمار کو تشدد کی پالیسی پر نظرثانی کر کے اپنا سختی اور تشدد کا رویہ تبدیل کرنا پڑا۔

بلاشبہ اس بیرونی انقلابی فکر کے اثرات ہندوستانی نوجوان پر بھی پڑے، لیکن یہ اثرات گنتی کے نوجوانوں کے ذہنوں تک محدود تھے۔ ملک کی عام زندگی پر نہ اس کا کوئی اثر پڑا تھا، نہ ملک میں کوئی انقلاب رونما ہوگیا تھا۔

پھر اس حقیقت کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے کہ جن نوجوانوں نے ان اثرات کو قبول کیا تھا، وہ اپنے ماحول، پس منظر، خیالات، اعمال، اپنی تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے پہلے ہی کتنے مسلمان تھے، جن کے انقلابِ فکر وحال کا ماتم کیا جائے۔ وہ پہلے ہی ایک غیر اسلامی و جاہلی زندگی گزار رہے تھے، بعد میں بھی ان کی زندگی وہی رہی۔ وہ جتنے اور جیسے مسلمان پہلے تھے، ویسے ہی اس فکر کو اختیار کر لینے کے بعد تھے

اگر انگریزوں نے شروع میں تحریک کو ڈھیل دی تھی تو اس لیے کہ مسلمانوں کا جوش نکل جائے۔ مہاجرین کے واپس آنے پر کسی قسم کی رعایت دی یا مدد کی تو اس لیے کہ آیندہ کسی تحریک میں حصّہ لینے سے انھیں روکا اور دبایا جا سکے۔

تحریک کے مخالفین اور ان کے درجے:

کسی تحریک میں مختلف اسباب، افکار، عقائد اور مصالح ذاتی و اجتماعی کی بنا پر حمایت یا مخالفت کی جاتی ہے۔ اس لیے کسی مسئلے میں ہر شخص کے عمل و اقدام کو یکساں حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ مسئلہ خلافت اور تحریک ہجرت کے بہت سے مؤید تھے اور بہت سے مخالف، اور ان سب کی حمایت یا مخالفت کے مختلف وجوہ تھے۔ مثلاً:

۱۔ ایک شخص خلافت کا ایک خاص عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کے مطابق خلافت کے منصب کے حفظ و دفاع کو اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ترکوں کے ساتھ سیاسی طور پہ ناانصافیاں ہوئی ہیں اور مسلسل ہو رہی ہیں۔ وہ ان کی تلافی بھی چاہتا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ ترکی اور تمام اسلامی ممالک کے مصائب کی علت ہندوستان کی غلامی ہے۔ اس لیے وہ نہایت خلوص کے ساتھ ملک کی آزادی کی جدوجہد بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے عمل میں ایک خاص جوش، جذبہ اور فدائیت ہوگی۔

۲۔ دوسرا شخص خلافت کے عقیدے اور مسلک ہی کو نہیں مانتا۔ اس کے عقیدے کے مطابق ترکی کا عثمانی خاندان کسی اور کے حقِ خلافت کا غاصب ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تحریکِ خلافت کو مدد پہنچانے اور تحریکِ ہجرت میں حصّہ لینے سے اُس کے عقیدے کے برعکس ترکی خلافت یا منصبِ خلافت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے اُس شخص کا رویہ اور عمل اوّل الذکر شخص سے بالکل مختلف ہوگا۔

۳۔ تیسرا شخص نہ عثمانیوں کو خلافت کا حق دار سمجھتا ہے اور نہ انھیں مسلمان خیال کرتا ہے جو اصلاحِ احوال کے لیے ہندوستان اور ترکی میں کوشاں ہیں۔ وہ نہایت دیانت کے ساتھ اپنے مطالعے اور مشاہدے کی بنیاد پر ترکوں پر انگریزوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی مخالفتِ تحریکِ خلافت کی اصل بنیاد یہی ہے۔

۴۔ چوتھا شخص نہایت سنجیدگی اور علمی دیانت کے ساتھ خلافت کا حق قریش میں محدود سمجھتا ہے، لیکن چوں کہ عثمانیوں نے خلافت قائم کرلی ہے، اس پر صدیاں گزر چکی ہیں، ان کی ایک عظیم الشان تاریخ ہے، اس لیے ان کی خلافت نہ سہی حکومت کو جائز سمجھتا ہے۔ لیکن جب ایک سیدزادہ (حسین، شریفِ مکہ) کسی کے ایما و اشارے پر معصیت خروج پر کمربستہ ہوتا ہے اور خلافت سے بغاوت کرتا ہے تو اُس کے پس منظر کو جانتے بوجھتے کہ اس کا مقصد اسلامی حکومت یا منصبِ خلافت کی تنقیص و تقطیع ہے، وہ اس کے خلاف نہ کوئی اقدام کرتا ہے، نہ لب کشائی۔ اُس شخص کے رویے کی کسوٹی پہلے شخص کا کیریکٹر نہیں ہوسکتا۔

۵۔ پانچواں شخص اسلام ہی کو نہیں مانتا۔ خلافت کے عقیدے پر ایمان یا اس سے انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ سیاسی طور پر ترکوں کے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے۔ وہ صرف سیاسی پہلو سے تحریکِ خلافت کی تائید کرتا ہے اور مسلمانوں کا ساتھ دیتا ہے۔

کیا ہم کوئی ایسا اصول وضع کرسکتے ہیں کہ تحریکِ خلافت اور تحریک کے ہر حمایتی اور ہر مخالف کو اُس اصول کی کسوٹی پر کَس اور پرکھ کر اس کے کیریکٹر کے بارے میں فیصلہ

کردیں؟

اگر ہم تحریک خلافت، اور ترک موالات کے پروگرام اور ہجرت کے عمل کے حامیوں اور مخالفوں پر نظر ڈالیں تو ان کے عمل کے پس منظر میں افکار وعقاید کا یہ اختلاف وتباین صاف نظر آجائے گا۔ اس سے ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی کہ

مولانا محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام آزاد، ظفر علی خاں

ہز ہائی نس سر آغا خاں، جسٹس امیر علی، ، قائدِ اعظم محمد علی جناح

بریلوی مکتبۂ فکر اور

فرنگی محل لکھنو کے علمائے کرام اور

مہاتما گاندھی اور غیر مسلموں کو کن خانوں میں رکھا جائے۔

یہی خانے درحقیقت اُن حضرات کے کیریکٹر کی کسوٹی ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے خلافت کی راہ میں سب کچھ لٹا دینا ہی اس کے ایمان اور اُس کے اسلامی کیریکٹر کا ثبوت ہے۔ لیکن جو شخص خلافت کے منصب کو قریش یا اہل بیت کا غصب شدہ حق سمجھتا ہے، اُس کے ایمان کا ثبوت اور کیریکٹر کا معیار یہ قرار پائے گا کہ وہ غصب شدہ منصب خلافت کی روایت کے حفظ و دفاع کے ہر عمل کی مخالفت کرے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس سے بالواسطہ یا بلا واسطہ خلافت کی روایت کے حفظ و دفاع میں فائدہ اٹھایا جا سکے۔ چوں کہ تحریک ہجرت میں خلافت ہی کا مفاد پوشیدہ تھا۔ اس لیے تحریکِ ہجرت کی مخالفت کرنا بھی ان کا مذہبی فریضہ تھا۔ اِس بارے میں ہمیں ان کا شکوہ سنج ہونے کے بجائے، ان کے کیریکٹر کی خوبی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ لیکن ایسے شخص کی رائے کا حوالہ خلافت کی تحریک یا ہجرت کے عمل میں اور اس سے تحریک کے صحیح یا غلط ہونے پر استدلال کرنا، درست نہیں ہو سکتا۔

ابو سلمان شاہجہان پوری
۹ر دسمبر ۱۹۸۹ء

تحریکِ ہجرت

۱۹۲۰ء میں مسلمانانِ برِعظیم پاک و ہند کی ہجرتِ افغانستان
تحریک، مقاصد اور نتائج

ڈاکٹر معین الدین عقیل

ادارۂ تحقیقاتِ افکار و تحریکاتِ ملی پاکستان

ہندوستان کی شرعی حیثیت

دارالحرب یا دارالاسلام؟

ہندوستانی مسلمانوں نے ۱۹۲۰ء میں ہجرت کی تحریک عین اس وقت شروع کی جب تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی۔ یہ تحریک ان کے شدید جذباتی ہیجان کا نتیجہ تھی اور اس کے پس پشت جو احساس موجزن تھا ــــ وہ یہ تھا کہ برطانیہ کے ماتحت ہندوستان میں اسلام محفوظ نہیں ہے اور اب صرف ہندوستان سے ہجرت کر جانے ہی میں عافیت باقی رہ گئی ہے ــ چنانچہ ہزاروں مسلمانوں نے ہندوستان سے افغانستان کے لیے ہجرت شروع کر دی۔

ہندوستان میں اسلام کے محفوظ رہنے یا نہ رہنے کا مسئلہ علماء کے پیش نظر اس وقت سے اہمیت کا حامل رہا ہے جب سے کہ شاہ عبدالعزیز نے انگریزوں کے ماتحت ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں اپنا مشہور فتویٰ جاری کیا تھا۔ ان کے خیال میں جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک کے مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہ رہے کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید باقی نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز یا ناجائز قرار دیں اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مالگزاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے امن و امان سے زندگی بسر نہ کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے کرتے تھے تو یہ ملک سیاسی اعتبار سے دارالحرب ہو جائے گا[1] شاہ عبدالعزیز کے ایک مکتوب سے اس وقت

---

[1] "فتاویٰ عزیزیہ" (دہلی، ۱۹۰۴ء) ص ۱۶-۱۷؛ اردو ترجمہ (کانپور، تاریخ ندارد) ص ۳۵-۳۶؛ ہنٹر، ڈبلیو ڈبلیو (لندن ۱۸۷۱ء) ص ۱۴۰ "Our Indian Musalmans." (Hunter, W.W.)

کے حالات میں ان کے ہندوستان سے ہجرت کر جانے کا ارادہ بھی ظاہر ہوتا ہے[۲]۔ یہ اس دور کے حالات میں ایک عالمانہ نقطۂ نظر تھا جس نے ان لوگوں کے شعور کو بیدار کیا تھا جو غیر اسلامی قوانین کو رائج کرنے والے غیر مسلموں کے ماتحت رہنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے[۳]۔

انگریزوں کا اقتدار جوں جوں مستحکم ہوتا گیا علماء کے فتووں میں ہندوستان کا دار الحرب ہونا زیادہ نمایاں ہوتا گیا[۴]۔ شاہ محمد اسماعیل نے بھی کفار (انگریزوں) کے عروج اور اسلامی شریعت کے خاتمہ کو ہندوستان کے دار الحرب ہونے سے تعبیر کیا تھا اور اسی لحاظ سے انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا جواز پیدا کیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کی حیثیت کو مصر میں فرعون کے ماتحت یہودیوں کی حیثیت کے مساوی قرار دیا تھا[۵]۔ مولانا عبدالحئی (متوفی ۱۸۲۸ء) نے زیادہ کھل کر کلکتہ اور اس کے ملحقات کو دشمنوں کے ملک سے تعبیر کیا۔ ان کے خیال میں عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لے کر دہلی تک سب کی سب دار الحرب ہے، کیونکہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے اور مسلمانوں کے شرعی قوانین کی کوئی اہمیت نہیں رہی[۶]۔ مقتدر علماء کے ان خیالات نے ہجرت کے احساس کو ختم دیا[۷]۔

انگریزی عہد میں ہندوستان کے دار الحرب یا دار الاسلام ہونے کا مسئلہ علماء میں اختلافِ رائے کا مظہر رہا ہے۔ دار الحرب کے مسئلہ کا حل زیادہ تر جہاد یا ہجرت میں تلاش کیا گیا ہے۔ اسی طرح علماء کا رویہ بھی انگریزوں کے ساتھ تعاون یا عدم تعاون کے لحاظ سے بھی مختلف رہا

۲۔ مشمولہ "مکتوبات شاہ عبدالعزیز"، ص ۲۶۱، اردو ترجمہ ص ۳۰۶ ونیز مشمولہ "اوراق گم گشتہ" مرتبہ رئیس احمد جعفری (لاہور ۱۹۶۸ء) ص ۱۹۴-۱۹۶ "اس ملک میں جب سے جاٹ اور مرہٹوں کو غلبہ حاصل ہوا اسلام کی ظاہری صورت جو پہلے تھی اگرچہ مردہ تھی حقیقت سے خالی تھی بگڑ گئی اور مسلمانوں کو عام طور پر اور علماء اور زاہدوں کو خاص کر طرح طرح کی تکلیف ایسی پہنچی ہے لہذا یہاں سے ہجرت کا ارادہ ہے۔" ایضاً ص ۱۹۶، لیکن انہوں نے اس لیے ہجرت نہیں کی کہ انہیں اس کی استطاعت نہیں تھی۔ بحوالہ مکتوب محمد انیس بنام مولانا عبدالباری مورخہ ۲۴ رجون ۱۹۱۹ء مشمولہ "نقوش" (لاہور) اپریل مئی ۱۹۶۸ء جلد دوم ص ۲۲۰۔

۳۔ ہارڈی پی "The Muslims of British India" (Hardy, P.) (کیمبرج، ۱۹۷۲ء) ص ۵۱ ۴۔ ہنٹر، تصنیف مذکور، ص ۱۴۰

۵۔ او کینیلے، جیمز (O'Kinealy, James.) "Wahabi Movement." مشمولہ "Calcutta Review" جلد ۴۰، ۱۸۶۴ء، ص ۳۸۶ ۶۔ بحوالہ ہنٹر، تصنیف مذکور، ص ۱۴۰

ہے۔ خود شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے شاگردوں اور ان سے فیض یافتہ جماعت مجاہدین کا رویہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں غیر متوازن رہا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اگر انگریزوں کے ماتحت ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں اپنا فیصلہ دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندو مرہٹوں کے ماتحت ہندوستان کو دارالاسلام ہی کی حیثیت حاصل تھی[۸] شاہ محمد اسمٰعیل نے ابتداءً انگریزوں سے وفاداری کا رویہ اختیار کیا تھا اور کہا تھا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے امن وامان میں رہنے والے جہاد نہیں کر سکتے[۹] یہاں تک کہ مولانا عبدالحئیؒ نے بھی ایک مرحلہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی میں شاہ عبدالعزیزؒ کی اجازت سے ملازمت اختیار کی تھی[۱۰] وہ ممتاز علماء بھی، جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے بھی شہرت رکھتے ہیں، جیسے مولانا صدرالدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی، کمپنی کی ملازمت اختیار کرنے پر آمادہ ہوئے تھے[۱۱] مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی، جو اسی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف لڑ چکے تھے، ۱۸۹۸ء میں اپنے ایک فتویٰ میں انگریزوں کی حمایت کی ترغیب دی تھی[۱۲]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران جہاد کا تصور مسلمان علماء کے درمیان بہت واضح صورت اختیار کر چکا تھا۔ دہلی کی جامع مسجد میں مرتب ہونے والا جہاد کا فتویٰ اور عام مسلمانوں کے جہادیہ نعرے، مثلاً "دین، دین — بسم اللہ"، اس کی واضح علامتیں تھیں[۱۳] لیکن اس کے باوجود

---

[۷] "اور مسلمانوں کو دوسرے اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کر جانے کی ترغیب دی"۔ عزیز احمد، "Studies in Islamic Culture in the Indian Environment." (آکسفورڈ، ۱۹۶۴ء) ص ۲۱۵ -

[۸] عزیز احمد "Islamic Modernism in India and Pakistan." (آکسفورڈ، ۱۹۶۷ء) ص ۱۹ — شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک اور فتویٰ میں انگریزی یا کسی اور زبان کا سیکھنا یا کسی شعبۂ علم کو حاصل کرنا جائز قرار دیا تھا لیکن صرف اسی صورت میں کہ اس کا مقصد معاشرتی جرائم کا انسداد ہو۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کو ہلاک کرنے یا مسلم حکومت کی تخریب کرنے اور عقائد باطلہ اور غیر اسلامی اعمال کی نشر واشاعت کرنے کے لیے انگریزوں سے تعاون کرنا ایک ایسا گناہ کبیرہ ہے جو کفر یا ارتداد کے مترادف ہے۔ "فتاویٰ عزیزیہ" ص ۱۸۵، ۱۸۶؛ اسی رویہ نے مسلمان طلبہ کو ترغیب دی تھی کہ وہ انگریزی اسکولوں میں داخلہ لیں، جعفر تھانیسریؒ "تواریخ عجیبہ" (لاہور، ۱۸۹۰ء) ص ۳۵؛ میرزا حیرت دہلوی "حیات طیبہ" (دہلی، ۱۸۹۵ء) ص ۱۲۷ - ۱۲۸ -

[۹] سید احمد خان "رسالہ اسباب بغاوت ہند" مشمولہ "حیات جاوید" الطاف حسین حالی (دہلی، ۱۹۳۸ء) ص ۱۸ -

[۱۰] عبدالشاہد خان شروانی، مقدمہ "الثورۃ الہندیہ" فضل حق خیر آبادی (بجنور، ۱۹۵۷ء) ص ۳۹ [۱۱] ایضاً ص ۱۵۰

سب ہی علماء اس جہاد میں شامل نہیں تھے، کچھ لاتعلق بھی رہے[۱۳] ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کی صورت میں یہاں سے ہجرت کر جانے کا خیال بھی علماء کی توجہ حاصل کرتا رہا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے بعد مولوی کرامت علی نے، جو سید احمد بریلوی کی جماعت مجاہدین کے ایک اہم رکن تھے، ۱۸۳۸ء میں ہندوستان چھوڑ کر دارالاسلام (مکہ یا مدینہ) چلے جانے کی خواہش کا اظہار کیا[۱۵] مولانا محمد اسحاق نے عملاً ہجرت بھی کی اور ۱۸۴۰ء میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ معظمہ چلے گئے[۱۶] اور وہاں سے اپنی ہندوستانی تحریک کی رہنمائی کا کام شروع کر دیا[۱۷]۔ ۱۸۶۷ء میں نواب قطب الدین نے اپنی تصنیف "جامع التفاسیر" میں دارالحرب کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس کا ایک متبادل ہجرت کو قرار دیا[۱۸]۔

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے پر علماء کے نقطۂ نظر کا اظہار زیادہ تر تحریک مجاہدین کے دوران انیسویں صدی کی آٹھویں اور نویں دہائی میں سامنے آیا۔ اس عرصہ میں نواب عبداللطیف، مولوی فضل علی، مولوی عبدالحکیم ہندوستان کے دارالاسلام ہونے پر مصر رہے[۱۹]۔ نواب عبداللطیف نے مفتئ مکہ معظمہ سے حاصل ہونے والے ایک فتویٰ کی خاصی تشہیر کی، جس میں ہندوستان کو دارالاسلام

[۱۲] فتاویٰ رشیدیہ" جلد اول (مراد آباد، ۱۹۰۶ء) ص ۷۶، ۸۷۔

[۱۳] جہاد کے لیے مثلاً: جوشی، پی سی۔ "Rebellion of 1857 - a Symposium." (دہلی، ۱۹۵۷ء) میں کے ایم اشرف کا مضمون، فتویٰ کے لیے: خورشید مصطفےٰ رضوی "۱۸۵۷ء" (دہلی، ۱۹۵۷ء) ص ۵۶۸۔ ۔۔۔ نعروں کے لیے: ٹروٹر، ایل جے (Trotter, L.J.) "History of British Empire in India." جلد دوم (لندن، ۱۸۶۶ء) ص ۳۲۵ وغیرہ۔

[۱۴] "لیکن ان کے اس رویہ میں انگریزوں سے وفاداری کا کوئی دخل نہیں تھا" عبیداللہ سندھی "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" (لاہور، ۱۹۷۰ء) ص ۱۳۶-۱۳۷۔ [۱۵] او کینلے، تصنیف مذکورہ، ص ۳۹۰۔

[۱۶] غلام رسول مہر "جماعت مجاہدین" (لاہور، تاریخ ندارد) ص ۳۱۲ [۱۷] عبیداللہ سندھی، تصنیف مذکورہ، ص ۱۳۵ [۱۸] بحوالہ او کینلے، تصنیف مذکورہ، ص ۳۹۰-۳۹۳۔

[۱۹] تفصیلات کے لیے: "Abstract of Proceedings of the Mahomedan Literary Society of Culcutta, 1870."

(مشمولہ انعام الحق) "Nawab Bahadur Abdul Latif, His Writings

قرار دیا گیا تھا[20] اس دوران بعض علماء کے ذہن میں بڑی انقلابی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں، مثلاً مولانا فضل حق خیرآبادی نے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران دہلی کی جامع مسجد میں مرتب ہونے والے فتویٔ جہاد کی ترتیب میں حصہ لیا تھا[21] جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے بارے میں بھی ایک فتویٰ جاری کیا[22] ان کے علاوہ کرامت علی جونپوری، سید احمد خاں اور عبداللہ سہروردی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی تردید کی اور بعض علماء، جیسے شمس العلماء سید نذیر حسین، مولوی چراغ علی، شبلی نعمانی اور پھر بعد میں مولانا احمد خاں بریلوی نے ہندوستان کو دارالسلام قرار دیتے ہوئے غیر مسلم حکومت کی تابعداری کو اہمیت دی[23] اس کے بعد بھی یہ مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں کی قومی سیاست میں

---

and related Documents." (ڈھاکہ، ۱۹۶۸ء) ص ۸۸ - ۹۰، بعدہٗ)

۲۰ ایضاً، ص ۸۹، نواب عبداللطیف کی ساعی کے ایک جائزے اور اثرات کے لیے: رونبسن فرانسس "Separatism among Indian Muslims." (کیمبرج، ۱۹۷۴ء) ص ۹۲-۱۰۵؛ ج عزیز احمد "Islamic Modernism..." ص ۲۱-۸۲؛ محمد یوسف عباسی "Muslim Politics and Leadership in South Asia" (اسلام آباد، ۱۹۸۱ء) ص ۱۵-۱۸

۲۱ غلام رسول مہر، "۱۸۵۷ء کے مجاہد" (لاہور، تاریخ ندارد) ص ۱۳۳

۲۲ بحوالہ محمد یوسف عباسی، تصنیف مذکور، ص ۱۵۔

۲۳ کرامت علی جونپوری کے لیے: لٹریری سوسائٹی کلکتہ کی روداد (کلکتہ ۱۸۷۱ء) مشمولہ، انعام الحق، تصنیف مذکورہ ص ۸۷، ۸۸ وبعدہٗ؛ و نیز اقتباس مشمولہ ہنٹر، تصنیف مذکور ضمیمہ ۲؛ سید احمد خاں کے لیے "Review on DR. Hunter's Our Indian Musalmans" (لاہور، تاریخ ندارد) ص ۴، و نیز ضمائم۔ نواب عبداللطیف اور سید احمد خاں اور ان کے عہد میں دارالاسلام اور دارالحرب کے جائزہ کے لیے: محمد یوسف عباسی، تصنیف مذکور، ص ۵ - ۳۸ وبعدہٗ؛ عبداللہ سہروردی کے لیے: مرحسن سہروردی "India" مشمولہ آربری، اے جے (Arberry, A.J.) اور لنڈاؤ آر (Landau, R.) "Islam Today." (لندن، ۱۹۴۲ء) ص ۲۰۴؛ و نیز مطلع الرحمٰن "From Consultation to Confrontation." (لندن، ۱۹۷۰ء) ص ۷۵؛ مولوی چراغ علی "The Proposed Political, Legal and Social reforms in the Ottoman Empire and other Mohammadan States." (بمبئی، ۱۸۸۳ء) ص ۲۳-۲۵؛

اہمیت حاصل کرتا رہا اور بالآخر ہندوستان کی تقسیم (۱۹۴۷ء) کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسلم ملت کی تقسیم کا سبب بنا[۲۴]

انگریزی عہد میں علماء کے پیش نظر حکومت سے وفاداری کے مسئلہ کا اسلامی حل زیادہ تر جہاد یا ہجرت میں مضمر رہا ہے۔ اس کے تحت دارالحرب وہ ملک ہوتا ہے جہاں شریعت اسلامی نافذ نہیں رہتی اور جس میں عبادات کی آزادی اور عقائد کا تحفظ برقرار نہیں رہتا۔ جب کوئی مسلم ملک اس طرح دارالحرب بن جاتا ہے تو تمام مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ کسی دارالاسلام کو ہجرت کر جائیں اور دارالحرب کو دوبارہ فتح کر کے اسے دارالاسلام بنا دیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی اور آٹھ سال کے بعد دوبارہ ایک فاتح کی حیثیت میں مکہ واپس ہوئے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ہجرت کے حامیوں نے افغانستان ہجرت کرتے ہوئے یہی روایت اپنا پیش نظر رکھی تھی[۲۵]

شبلی نعمانی "مقالات شبلی" جلد اول (اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء) ص ۱۶۵-۱۷۱

سید نذیر حسین "فتاوی نذیریہ" جلد دوم (دہلی ۱۹۱۸ء) ص ۱۳۰، ۱۴۱، ۲۷۴، ۲۷۴-۲۷۳

احمد رضا خاں کے لیے: "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" (بریلی، ۱۹۲۷ء) و نیز "مشرق" (گورکھپور) ۷ر اکتوبر اور ۲۵ر نومبر ۱۹۲۰ء۔ شیعی نقطہ نظر کے لیے ہنٹر تصنیف مذکور، ص ۱۱۵-۱۱۹

احمدیہ نقطہ نظر کے لیے: خواجہ کمال الدین "Attitude of India towards British Government and other Muslim and non-muslim Power." (لاہور، ۱۹۱۲ء) ص ۱۰-۱۱

[۲۴] تحریک پاکستان کے دوران بھی دارالاسلام اور دارالحرب کا مسئلہ علماء کی بحث کا موضوع رہا ہے۔ وہ علماء جو قیام پاکستان کے مخالف رہے ہندوستانی متحدہ قومیت کے نظریہ کو تسلیم کرتے ہوئے ایک لحاظ سے ہندوستان کو دارالاسلام کی حیثیت دیتے رہے لیکن وہ علماء جو قیام پاکستان کے حق میں تھے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر حصول پاکستان کو اس مسئلہ کا حل سمجھتے تھے۔ مثلاً مفتی محمد شفیع "کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ معہ تصدیقات علماء دمثلاً: مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی" (بمبئی، ۱۳۶۵ھ) یہ بحث بھارت میں اب بھی کبھی کبھی دیکھنے میں آتی ہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند سے تعلق رکھنے والے علماء بھارت کو دارالاسلام قرار دیتے

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہیں ان کے خیال میں بھارت میں مسلمان اپنے شرعی قوانین کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ کسی لحاظ سے اس کی تردید متحدہ قومیت کے اس نظریہ کی نفی کرتی ہے جس نے انہیں ہندوستان اور ہندوؤں کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے (عزیز احمد "Islamic Modernism..." ص ۲۵۹) بعض علماء جیسے سعید احمد اکبر آبادی "جہاد" مشمولہ "آجکل" (دہلی) جنوری ۱۹۷۲ء ص ۸-۱۰) اس بنا پر کہ مسلمان بھارتی حکومت میں شامل ہیں اور انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے بھارت کو دارالسلام قرار دیتے ہوئے پاکستان کی بھارت سے جنگوں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کو جہاد تسلیم نہیں کرتے۔

۲۵ - مثلاً مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی کی یادداشت مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۱۹ء مذکورہ ذیل، و نیز علی امرتسری کی نظم مطبوعہ "زمیندار" (لاہور) ۳۱ جولائی ۱۹۲۰ء۔

تحریک ہجرت کا پس منظر

تحریک خلافت کے دوران شدید جذباتی ہیجان کے نتیجہ میں اس احساس کے تحت بھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد اب حکومت برطانیہ خلافت کو بھی نقصان پہنچانے کے درپے تھی، مسلمانوں میں یہ نقطۂ نظر عام ہو گیا کہ مسلمانوں کو ہندوستان چھوڑ کر کسی اسلامی ملک میں چلے جانا چاہئے۔ تحریک خلافت کے قائدین میں سے خود مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی نے بھی اپنی ایک یادداشت میں، جو انہوں نے ۲۴ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ (P.J.N.T. Chelms Ford) کی خدمت میں پیش کی تھی، اسی نتیجہ پر پہنچے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب کوئی ملک اسلام اور مسلمانوں کے لیے محفوظ نہ رہے تو مسلمانوں کے سامنے صرف دو متبادل راستے رہ جاتے ہیں — جہاد یا ہجرت۔ یعنی اسے یا تو اپنی اس ساری قوت کو جو خدا نے اسے بخشی ہے، ملک کی آزادی اور اسلام پر عمل پیرا ہونے اور اسے وسعت دینے کی کامل آزادی کے لیے صرف کر دینا چاہیئے یا پھر اسے ایک آزاد ملک کو ہجرت کرنا چاہیئے..... ہماری موجودہ خستہ حالی کے پیش نظر صرف ہجرت ہی ہمارے لیے ایک واحد متبادل صورت رہ گئی ہے.. .. یہ اقدام جسے ہیں اب تمام تر سنجیدگی کے ساتھ، جو اس کا تقاضا ہے، ترجیح دینی ہے — ہماری قوم کی تاریخ میں ہمارے پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد شاید سب سے زیادہ فیصلہ کن ہوگا [۲۶] یہی طرز فکر مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اختیار کیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہجرت اسلام کی پانچ عالمگیر صداقتوں میں سے ایک ہے۔ باقی چار صداقتیں جماعت، سمع، طاعت اور جہاد ہیں [۲۷] تحریک خلافت کے بعض دیگر

---

[۲۶] یادداشت مشمولہ: افضل اقبال "Life and times of Mohammad Ali." (لاہور، ۱۹۷۴ء) ص ۱۳۳-۱۴۵، اس یادداشت کا حوالہ مولانا محمد علی نے اپنی ایک تقریر (دہلی ۱۶ جنوری ۱۹۲۰ء) میں بھی دیا تھا — مشمولہ "خطبات محمد علی"، مرتبہ رئیس احمد جعفری (کراچی، طبع اول) ص ۴۴۔

[۲۷] خطبۂ اجلاس صوبائی مجلس خلافت (بنگال) مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۲۰ء مشمولہ: خطبات ابوالکلام، لاہور،

رہنماؤں، جیسے مولانا ظفر علی خاں اور عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ کا نقطۂ نظر بھی یہی تھا[۲۸]۔ ویسے علی برادران اس تحریک کے بنیادی محرک کی حیثیت اختیار کر گئے تھے[۲۹]۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں خلافت کانفرنس کے اجلاس میں اور بعد میں جنوری اور فروری ۱۹۲۰ء میں شمالی ہند کے دورے میں ان کی تقریروں نے جہاد اور ہجرت کے لیے فضا ہموار کی[۳۰]۔

اس دوران افغانستان کے امیر امان اللہ خاں، جو برطانیہ اور افغانستان کی تیسری جنگ (۱۹۱۹ء) کے بعد سے ہندوستانی مسلمانوں کی اضطرابی حالت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے ہجرت کی تحریک کو مزید تقویت دینے کا سبب بنے۔ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی ہجرت افغانستان کو انگریزوں کے خلاف محاذ بنانے اور انھیں دھمکانے کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھا۔ اولاً انھوں نے ہندوستانی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے لیے تیار کرنے اور اپنے ایک فرمان میں ہندوستان کے عوام کو غیر ملکی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی عام دعوت دی[۳۱]۔ اس فرمان

تاریخ ندارد (ص ۱۵۸-۱۵۹)، خدا کے ہر رسول اور ان کے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طے کرنی پڑتی ہے اور چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں اہل و عیال، مال و متاع، دوست و احباب ہر طرح کے علاقوں کو ترک کر دینا پڑتا ہے اور اس کی محبت و الفت کی زنجیر دوسری ساری زنجیروں سے بھاری ہے اس لیے ترک وطن کی ہجرت اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہے، اور زیادہ تر مہاجرت کا اطلاق تارکین وطن ہی پر کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۰-۱۹۱۔

[۲۸] مولانا ظفر علی خاں کے لیے "تقاریر ظفر علی خاں" (میرٹھ، تاریخ ندارد) ص ۳۶، ۵۰ اور "زمیندار" ۳۰ر جولائی ۱۹۲۰ء، عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسروں کے لیے۔ غلام حسین سوختہ "داستان ہجرت" (امرتسر، ۱۹۲۰ء) ص ۴ اور "Indian Confidential home Political Proceedings." (آئندہ: ICHPP) اگست ۱۹۲۰ء، مسل ۱۷، بحوالہ محمد نعیم قریشی "The Ulama of British India and the Hijrat of 1920." مشمولہ "Modern Asian Studies." (کیمبرج) فروری ۱۹۷۹ء، ص ۴۱-۵۹

[۲۹] اقبال شیدائی، یادداشتیں، "امروز" (لاہور) ۴ر مئی ۱۹۶۹ء

[۳۰] ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں اقرار کیا تھا کہ اگر وقت آجائے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ہجرت ضروری ہو جائے تو چاہے میرا بڑا بھائی ہندوستان کے اندر رہ جائے لیکن میں یہاں سے ہجرت کر جاؤں گا۔ اسی طرح بڑے بھائی نے عہد کیا تھا کہ چاہے چھوٹا بھائی ہندوستان کے اندر رہ جائے مگر میں ہجرت سے باز نہ آؤں گا۔ "خطبات محمد علی" ص ۴۳۔

[۳۱] فرمان مورخہ ۳ر مئی ۱۹۱۹ء، بحوالہ پولادا، ایل بی "Reforms and Rebellion in Afghanistan, 1919 - 1929." [illegible]

کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ تو نہیں نکلا لیکن بعض قبائلیوں نے انگریز افسران کے خلاف پرتشدد ہنگامے ضرور کیے[۳۲] برطانیہ سے افغانستان کی تیسری جنگ کا عرصہ بہت مختصر تھا، یہ صرف ایک مہینہ میں ختم ہو گئی۔ سیاسی تصفیہ کے لیے حکومتوں کی سطح پر بات چیت کا آغاز اگست ۱۹۱۹ء میں راولپنڈی سے ہوا[۳۳]۔ امان اللہ خاں نے صورت حال کو اپنے مطابق ڈھالنے کے لیے جو تدابیر اختیار کیں ان میں حکومت ہند پر مختلف صورتوں میں دباؤ ڈالنا بھی شامل تھا۔ چنانچہ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے اضطراب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا۔ اسی ارادہ کے تحت اپنی ایک تقریر میں جو انھوں نے کابل میں اپنے والد کی برسی کے موقع پر ۲۰/۲۱ فروری ۱۹۲۰ء کو کی تھی، ہندوستانیوں کو افغانستان آنے کی عام اجازت دے دی[۳۴]۔ اپریل میں حکومت ہند سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے لیے افغانستان سے ہندوستان آنے والے وفد نے بھی تحریک خلافت اور ترکی کی حمایت کی فضا کو سازگار بنانے کا کام کیا۔ افغانستان کے وزیر خارجہ محمود طرزی نے، جو اس وفد کی قیادت کر رہے تھے، مسوری کے قریب ۱۶/اپریل کو ایک مسجد میں بعد نماز جمعہ اپنی ایک تقریر میں اس امر کا اقرار کیا کہ اس وفد کی ہندوستان آمد کا مقصد ترکی کے بارے میں معاملات کو اٹھانا بھی تھا[۳۵]۔ اپنی اس تقریر میں انھوں نے امیر افغانستان کی طرف سے ان ہندوستانیوں کو خوش آمدید کہنے کا یقین بھی دلایا جو ہندوستان چھوڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں[۳۶]۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۲۲۱

۳۳۔ رمبولڈ، اے (Rumbold, A.) "Watershed in India 1914 - 1922." (لندن، ۱۹۷۹ء)، ص ۲۱۶

۳۴۔ وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۱۲/اپریل ۱۹۲۰ "India Office Library" 'Political and Secret Subject File' (IOL). آئندہ (PSSF) آئندہ ص ۲۰۔۷/۱۹۲۰ء بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۲۴۵ ح ونیز "دستور" (شیرکوٹ) ۲۴/اپریل ۱۹۲۰ء؛ بامفورڈ، پی۔سی (Bamford, P.C.) "Histories of the non-cooperation and Khilafat Movement." (دہلی، ۱۹۲۵ء)، ص ۱۵۸۔

۳۵۔ "The Times" (لندن) یکم مئی ۱۹۲۰ء بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۲۴۵ ح

۳۶۔ "آفتاب" (لاہور) ۱۰/مئی ۱۹۲۰ء ونیز "دستور" ۲۴/اپریل ۱۹۲۰ء

یہ حقیقت ہے کہ افغان حکومت کا یہ اقدام ہندوستانی مسلمانوں کی تحریک ہجرت کو کامیاب بنانے کے کسی سنجیدہ مقصد کا حامل نہیں تھا۔ دراصل اس طرح اس کا مقصد اپنے وفد کی اس بات چیت کو کامیاب بنانا تھا جو وہ ہندوستان میں حکومت ہند سے کرنے کے لیے مسوری پہنچا تھا۔[۳۷] لیکن ہندوستان میں امیر افغانستان کی اس دعوت کا ہجرت کے لیے بہت واضح اور مثبت ردعمل پیدا ہوا۔ ہندوستانی مسلمانوں نے یہ یقین کر لیا کہ افغان کھلے دل سے انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ اس یقین کے پس پشت یہ واقعہ بھی تھا کہ حکومت افغانستان نے ماضی قریب میں چند ہندوستانی علماء، طلبہ اور انقلابیوں کو پناہ دے رکھی تھی[۳۸] افغان وفد کے ظاہری مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کے بعض علماء نے، جو تحریک خلافت میں پیش پیش تھے، افغان وفد سے تعلقات استوار کیے[۳۹]

---

[۳۷] ظفر حسن ایبک "آپ بیتی" جلد اول (لاہور، ۱۹۶۴ء) ص ۲۰۲-۲۰۴، نیز عزیز ہندی "تحریک ہجرت کی تاریخ" مشمولہ "اوراق گم گشتہ" ص ۲۸۵-۲۸۶۔

[۳۸] ان کی بیشتر تعداد دیوبند کے مولانا محمود حسن کے شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ تھی۔ طلبہ کی تعداد ۱۵ تھی، جو اس مقصد کے لیے افغانستان پہنچے تھے کہ وہاں سے ترکی جائیں گے اور خلیفۃ المسلمین کے لیے لڑیں گے IOL: PSSF ۴۲۶/۱۹۲۰ء، حسین احمد مدنی "نقش حیات" دو جلدیں (دیوبند، ۱۹۵۳ء) ظفر حسن ایبک "آپ بیتی" تین جلدیں (لاہور، ۱۹۶۴ء)، عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۰۴، ۸۱۱ وبعدہ، سید محمد میاں "تحریک شیخ الہند" (لاہور، ۱۹۷۵ء)۔

[۳۹] "پیسہ اخبار" (لاہور) ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء، "آفتاب" ۱۶ مئی ۱۹۲۰ء، وائسرائے بنام سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء، پی ۳۲۷، چیمسفورڈ پیپرز بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۴۶ ج

تحریک ہجرت ــــ علمائے کرام کا نقطۂ نظر

کارکنانِ تحریک خلافت کی ایک کانفرنس نے، جو اپریل ۱۹۲۰ء میں دہلی میں منعقد ہوئی، افغان حکومت کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے ہجرت کی ضرورت پر زور دیا[۴۰]۔ یہاں تک کہ مرکزی مجلس خلافت نے بھی، اس بات کا خیال کیے بغیر کہ یہ محض افغان حکومت کا ایک سیاسی رویہ ہے، امیر افغانستان کی پیش کش پر مشتمل ایک خلاصہ اخبارات کے لیے جاری کر دیا[۴۱]۔ سارے ملک میں مذکورہ تقریر کی شہرت پھیل گئی اور ہجرت کے لئے جوش و خروش عام ہو گیا[۴۲]، جس نے علماء کو ہجرت کی تادیل اور ان لوگوں کی قیادت کے لئے آمادہ کیا جو ہجرت کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن کئی دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ پر بھی علماء میں اتفاق نہ ہو سکا۔ بہت سے علماء کارکنان تحریک خلافت کی اس کانفرنس سے اپنے اصولی اختلاف کی وجہ سے الگ رہے، جو دہلی میں منعقد ہوئی اور جس میں افغانستان ہجرت کا مسئلہ زیر غور آیا۔ اس وقت کے نوجوان اور جذباتی علماء، جیسے عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ بھی اس تحریک میں کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے[۴۳]۔ چنانچہ اس مسئلہ پر ایک فتویٰ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس وقت کے ممتاز فقیہہ اور عالم مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے، جو تحریک خلافت کے سربرآوردہ رہنما بھی تھے اور ہندوستانی مسلمانوں کے مسلّم قائد بھی تھے اور انھیں تمام مسلمانوں میں یکساں اعتبار اور وقار حاصل تھا[۴۴]، جب استفسار کیا گیا تو انہوں نے من حیث المجموع

---

[۴۰] تفصیلات کے لیے "آفتاب" ۲۳ر اپریل ۱۹۲۰ء ؛ "دستور" ۲۴ر اپریل ۱۹۲۰ء، وینیز وائسرائے بنام سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۲۰ء، پی ۳۹۰، چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۴۶ ح

[۴۱] بحوالہ، ایضاً ص ۴۶ [۴۲] بحوالہ، ایضاً۔

[۴۳] عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۷۸

[۴۴] قاضی محمد عدیل عباسی "تحریک خلافت" (دہلی، ۱۹۷۸ء) ص ۱۳۶

ضرورت ہجرت کے خلاف فتویٰ دیا۔ جون ۱۹۱۹ء میں، جب کہ تحریک خلافت کو شروع ہوئے چند ہفتے ہی گزرے تھے، مولانا عبدالباری نے علی برادران کے اس عزم پر کہ اگر مجلس خلافت کے مطالبات تسلیم نہیں کئے گئے تو ہجرت یا جہاد ہی اس کا نتیجہ ہونا چاہیے، ناگواری کا اظہار کیا کیا تھا ۴۵؎ ان کے خیال میں حکومت برطانیہ کے ماتحت ہندوستان دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام تھا، اس لحاظ سے ہجرت مسلمانوں پر واجب نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہجرت بہر حال اس وقت مسلمانوں کے لیے نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ صرف اس وقت جائز ہوتی ہے جب مسلمانوں کو اپنے عقائد کا تحفظ مقصود ہو۔ لہذا ایسے وقت میں ہجرت کا فائدہ دین کے دشمنوں ہی کو پہنچ سکتا ہے اور اس طرح اسلام کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے ۴۶؎ لیکن جب انھوں نے اپریل ۱۹۲۰ء میں غلام محمد عزیز امرتسری (عزیز ہندی) کے ایک استفسار کا جواب تار سے دیا تو اس میں ایک لحاظ سے ہندوستان سے ہجرت کر جانے کی تائید کی ۴۷؎۔ اس سے پہلے کہ وہ تار کے مضمون کی تصحیح کرتے اخبارات کے ذریعہ تار کا مضمون عام ہو گیا۔ عارف ہسوی مدیر اخبار "حریت" (دہلی) نے اس تار کے مضمون کو اپنے اخبار میں شائع کر دیا جس سے "پیسہ اخبار" (لاہور)، "زمیندار" (لاہور)، "خلافت" (بمبئی) اور ہندوستان کے دوسرے اخباروں نے مولانا عبدالباری کی تائید ہجرت کے خیال کی تشہیر کر دی ۴۸؎ یہ تاثر عام ہو گیا کہ مولانا عبدالباری نے ہندوستان اور خلافت کی آزادی کے لیے ہجرت اختیار کرنے کے بارے میں فتویٰ جاری کر دیا ہے ۴۹؎ مولانا عبدالباری نے اس تاثر کی تردید میں ایک وضاحتی بیان جاری کیا کہ انھوں نے ہجرت کا فتویٰ جاری نہیں کیا ہے بلکہ صرف اس کو پسندیدہ قرار دیا

۴۵؎ مولانا عبدالباری بنام لارڈ چیمسفورڈ، مورخہ ۱۲ رجون ۱۹۲۰ء، مشمولہ "اوراق گم گشتہ" ص ۱۴۵-۱۴۶۔
۴۶؎ "مجموعہ رسالہ ہجرت در رسالہ قربانی گاؤ" مرتبہ شیخ شاہد علی (فرنگی محل، ۱۹۲۰ء) مشمولہ، ایضاً ص ۱۵۰۔
۴۷؎ عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۱-۸۲
۴۸؎ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۴۷
۴۹؎ "پیسہ اخبار" ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء، "جھنگ سیال" ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء، "خلافت" (بمبئی) یکم مئی ۱۹۲۰ء۔ سوختہ، تصنیف مذکور، ص ۳، چوہدری خلیق الزمان "Pathway to Pakistan." (لاہور، ۱۹۶۱) ص ۵۶؛ مولانا حبیب الرحمٰن بنام حکیم برہم گورکھپوری، مورخہ ۱۲ مئی مشمولہ محمد یسین چریاکوٹی "التنقید الخلافۃ" (گورکھپور، ۱۹۲۲ء) ص ۸۷ بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۴۸

ہے [۵۰] ان کے خیال میں کابل کی حکومت قابل اعتبار نہیں تھی اور پھر فائدۂ شرعیہ کے لحاظ سے مسلمانوں کا قیام ہندوستان میں ضروری تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت نہیں کرنی چاہیے [۵۱]

مولانا عبدالباری کے یہ خیالات ان علماء کے لیے قابل قبول نہیں تھے جو ہجرت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ان میں سے بعض نے کوشش کی کہ مولانا عبدالباری اپنے خیالات پر نظر ثانی کر لیں۔ مثلاً مولانا ابوتراب عبدالحق امرتسری نے شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبدالحئی کے حوالہ سے ہندوستان کے دارالحرب ہونے پر اصرار کیا اور اپنے دلائل کی تائید میں کہا کہ جب سے انگریز ہندوستان میں آتے ہیں انہوں نے رفتہ رفتہ شرعی قوانین کی جگہ اپنا انتظامی قانونی نظام نافذ کیا ہے۔ اسلامی شرعی قوانین میں انگریزوں کی اس مداخلت نے ہندوستان کو دارالاسلام سے ہٹا کر دارالحرب میں تبدیل کر دیا ہے، چنانچہ اب ہجرت ایک مذہبی فرض ہو گیا ہے [۵۲]

بعض علماء، مثلاً منیرالزماں اسلام آبادی اور مولانا آزاد سبحانی نے دلیل پیش کی کہ ہجرت کے مسئلہ پر احکام بہت واضح ہیں۔ یعنی وہ ملک جہاں حکمران غیر مسلم ہو دارالحرب ہے اور جہاں حکمران مسلمان ہو دارالاسلام ہے۔ مزید یہ کہ خود پیغمبر اسلام ؐ نے اس کی مثال پیش کر دی ہے جس پر مسلمانوں کو عمل پیرا ہونا چاہیے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ہجرت کرنا بہت آسان اور عین ممکن ہے ـــــ کیونکہ آس پاس ایسے ہمدرد موجود ہیں جو مہاجرین کو خوش آمدید کہہ سکتے ہیں۔ کئی کروڑ کی آبادی میں سے صرف چند لاکھ کے ہجرت کر جانے سے کوئی مصیبت نہیں آ سکتی ہے [۵۳]۔ اس دلیل کو دیگر متعدد علماء نے بھی مختلف وقتوں میں پیش کیا [۵۴] لیکن ان سب

۵۰ "حریت" (دہلی) ۲۶ را پریل ۱۹۲۰ء، بحوالہ ایضاً، ص ۴۸ ح

۵۱ "مجموعہ رسالہ ہجرت..." مشمولہ "اوراقِ گم گشتہ" ص ۱۵۱ و ما بعدہٗ

۵۲ "وکیل" (امرتسر) ۷ رمئی ۱۹۲۰ء۔ لیکن یہ ایک دلچسپ صورت حال تھی کہ مولانا ابوتراب ہجرت کو ایک طرف تو ضروری سمجھتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے فرزند کو افغانستان ہجرت کرنے سے اس لیے منع کر دیا کہ وہ ابھی کم سن ہے اور تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اسے والدین کی سرپرستی کی ضرورت ہے ـــــ "وکیل" ۲۲ راگست ۱۹۲۰ء، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۴۸ ح۔

۵۳ مکتوب مولانا منیرالزماں اسلام آبادی بنام مولانا عبدالباری، تاریخ ندارد، مشمولہ "نقوش" (لاہور) اپریل مئی ۱۹۶۸ء، جلد دوم ص ۱۹۷ ـ ۱۹۸

کے باوجود مولانا عبدالباری اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ انہوں نے اپنی تائید میں یہ بھی کہا کہ شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو دارالحرب ضرور قرار دیا تھا لیکن انہوں نے ہجرت کی تاکید نہیں کی تھی ۵۵۔

اپنے خیالات کے اعتبار سے مولانا عبدالباری اس وقت تنہا نہیں تھے بعض اور علماء، مثلاً کئی علمائے دیوبند اس تحریک سے دور رہے۔ ۱۹۱۶ء میں "ریشمی رومال کی سازش" کے عام ہونے کے بعد سے وہ اپنے قول اور فعل میں بہت محتاط ہو گئے تھے۔ خاص طور پر مولانا حبیب الرحمٰن جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، جہاد اور ہجرت دونوں کے مخالف ہو گئے تھے ۵۶ یہاں تک کہ ان کے مرشد مولانا محمود الحسن بھی، مالٹا کی اسیری کے بعد ہجرت کے بارے میں کسی گرمجوشی کا اظہار کرتے نظر نہیں آئے ۵۷ مولانا اشرف علی تھانوی بھی اس تحریک کے خلاف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ برطانوی ہند میں وہ صورت بہر حال موجود نہیں جس میں شرعاً ہجرت ضروری ہو جاتی ہے ۵۸ محمد عبدالرؤف داناپوری بھی ہجرت کے حق میں نہیں تھے کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو سکتا ہے ۵۹ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، جو ہندوؤں سے کسی قسم کے اتحاد کے قائل نہیں تھے، تحریک خلافت تک کی حمایت کے لیے آمادہ نہیں ہوئے ۶۰ ہجرت کے دیگر مخالفین میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا محمد اسحٰق مانسہروی

---

۵۴ تفصیلات کے لیے عزیز ہندی، تصنیف مذکور ص ۹۳، ۹۵-۷۔ عبدالمجید خاں "مرد مومن" (لاہور ۱۹۶۴ء) ص ۵۳ و بعدہ، سوختہ، تصنیف مذکور، ص ۴۰-۴۳ "زمیندار" ۲۰ر جولائی ۱۹۲۰ء۔ IOL ،۵۲۵۹/۱۹۲۰ء، ۵۴۴۶/۱۹۲۰ء۔ ۶۷۲۸/۱۹۲۰ء۔ ۲۸۸۲/۱۹۲۰ء۔ بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور ص ۴۹ ح۔

۵۵ مکتوب محمد انیس بنام مولانا عبدالباری، مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۲۰ء مشمولہ "نقوش" اپریل مئی ۱۹۶۸ء جلد دوم ص ۲۲۰، سوختہ، تصنیف مذکور، ص ۳، مولانا عبدالباری "خطبۂ صدارت" (ایرود، ۱۹۲۱ء) ص ۲۶۔

۵۶ مکتوب بنام حکیم بریم گورکھپوری، مورخہ ۱۲ر مئی ۱۹۲۰ء ملاحظہ فرمایئے۔ حاشیہ ۴۹

۵۷ "حضرت شیخ الہند کا ایک ضروری خط" (اعظم گڑھ، تاریخ ندارد) بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۴۹

۵۸ احمد سعید "مولانا اشرف علی تھانوی اور جدوجہد آزادی" (راولپنڈی، ۱۹۷۲ء) ص ۶۹ - ۷۰۔

۵۹ "زمانہ" ۱۱ر جون ۱۹۲۰ء، بحوالہ حکیم محمد سکندر امرتسری "وکیل" ۲۳ر جون ۱۹۲۰ء

۶۰ وہ اس وقت بھی علماء کے ساتھ نہیں تھے جب علماء جنگ بلقان (۱۹۱۲ء) کے وقت ترکوں کی حمایت کے لیے متحد ہو گئے تھے ــــــ مکتوب مرتضیٰ حسن بنام مولانا احمد رضا خان، مورخہ ۲۰ر ذیلعقدہ ۱۳۳۰ھ مشمولہ "نقوش" اپریل [illegible] جلد دوم ص [illegible] احمد رضا بنام مولانا عبدالباری مورخہ ۲۶ر ذیلعقدہ ۱۳۳۰ھ مشمولہ ایضاً ص ۱۱۹

اور مولانا محمد اسلم جیراجپوری بھی تھے، جو اس کے نامناسب اور غیر ضروری ہونے پر یقین رکھتے تھے[۶۱]۔ احمدیت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے بھی ہجرت کی اس وجہ سے مخالفت کی کہ ان کی نظر میں انگریزوں کے ماتحت ہندوستان دار الحرب نہیں تھا[۶۲]۔

لیکن یہ مخالفانہ نقطۂ نظر ہجرت کی تحریک کو دبانے میں کارگر نہ ہو سکا۔ اس تحریک کو مولانا ابوالکلام آزاد کی حمایت بھی حاصل ہو گئی جنہوں نے اپنے ایک فتویٰ سے اسے مزید قوت دی[۶۳]۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ہجرت کے متبادل کوئی شریعت موجود نہیں ہے۔ جنگ عظیم سے پہلے ہجرت محض لائق توبہ تھی مگر اس کے بعد ضروری ہو گئی ہے۔ لیکن مولانا آزاد کو یہ احساس رہا کہ ہندوستان کی کل مسلم آبادی کے لیے ہجرت کرنا بہر طور نہ ضروری ہے نہ ممکن۔ اس لیے جو ہجرت نہ کریں انہیں چاہیئے کہ وہ ہندوستان میں رہ کر خلافت کے لیے جد وجہد کریں اور حکومت سے عدم تعاون جاری رکھیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہجرت کو مناسب طریقہ پر منظم ہونا چاہیے اور اسے اختیار کرنے سے پہلے بیعت کر لینی چاہیے۔ اس ضمن میں انہوں نے ان افراد سے جو "طالب حق" ہوں اپنے سے یا مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محی الدین قصوری، مولانا داؤد غزنوی اور عبدالرزاق ملیح آبادی سے، جو اس تحریک میں مولانا آزاد کے رفیق خاص تھے، رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کی[۶۴]۔

یہ فتویٰ ان لوگوں کے لیے، جو ہجرت کے حق میں تھے، ایک بڑا سہارا ثابت ہوا۔ لیکن ان کے لیے جو تحریک عدم تعاون کے حق میں تھے، سخت استعجاب کا سبب بنا۔ کیونکہ یہ دونوں رویے ایک دوسرے کی ضد تھے۔ مولانا آزاد نے ان دونوں اضداد میں تطبیق پیدا

---

[۶۱] فیض احمد "مہر منیر" (گولڑہ، ۱۹۷۳ء) ص ۱۴۴، ۲۷۰-۲۷۹۔ عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۹۲ ؛ نیز "پیسہ اخبار" ۱۲ر جون ۱۹۲۰ء۔

[۶۲] "معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ" (قادیان، ۱۹۲۰ء) ص ۸-۹ ؛ نیز "ترک موالات اور احکام اسلام" (قادیان، ۱۹۲۰ء) ص ۹، ۴۷-۵۳۔

[۶۳] فتویٰ کی تاریخ اجراء دستیاب نہیں ہے۔ لیکن داخلی شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپریل میں یا مئی کے اوائل میں دیا گیا تھا۔ یہ مولانا ابوتراب عبدالحق کے رسالہ "اہل حدیث" (امرتسر) مورخہ ۳۰ر جولائی ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے متن کے لیے: غلام رسول مہر "تبرکات آزاد" (لاہور ۱۹۵۹ء) ص ۲۰۳-۲۰۶ ؛ نیز ہجرت کی احادیث پر ان کی تحریر "قانون ہجرت اور آثار تمدن" مشمولہ "افکار آزاد" مرتبہ فارقلیط (لاہور، طبع اول) ص ۷۱-۷۲۔

[۶۴] "تبرکات آزاد" ص ۲۰۶-۲۰۸

کرنی چاہی تھی ۶۵؎ اسی طرح ہجرت ہندوستانی یا وطنی قوم پرستی کے نظریہ کی تردید بھی تھی، کیونکہ اس طرح مذہب کی خاطر مسلمانوں کو اس ملک کے چھوڑنے کے لیے کہا جا رہا تھا، جس میں وہ دوسری قوموں کے ساتھ رہتے آئے تھے۔ یہاں جغرافیائی قومیت اور متحدہ قومیت اپنا مفہوم زائل کر رہی تھیں ۶۶؎ بہرحال وہ لوگ جو ہجرت کے خواہاں تھے، مولانا آزاد کا فتویٰ ان کے لیے بڑا سہارا ثابت ہوا۔ چنانچہ انھوں نے ایک منظم تحریک کا آغاز کر دیا۔ خود مولانا آزاد نے تحریک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور ہر صوبہ میں اپنی طرف سے ناظم مقرر کیے تاکہ ہجرت کا سلسلہ ایک منظم طریقہ پر جاری رکھا جاتے اور صرف وہی لوگ ہجرت کریں جو کارآمد ہوں۔ پنجاب کا ناظم مولانا داؤد غزنوی کو مقرر کیا گیا ۶۷؎ دہلی میں اس کا ایک مرکزی دفتر "خدام المہاجرین" قائم کیا گیا جس کی شاخیں ملک کے مختلف شہروں میں تشکیل دی گئیں۔ ان دفاتر کے قیام کا مقصد مہاجرین کو سہولتیں فراہم کرنا تھا۔ جب جولائی ۱۹۲۰ء میں مرکزی دفتر کے معتمد نے بھی افغانستان ہجرت کی تو مولانا احمد سعید معتمد جمعیۃ العلمائے ہند سے درخواست کی گئی کہ وہ اس دفتر کا انتظام سنبھال لیں۔ لیکن مولانا نے دیگر علماء کے مشورے سے یہ تجویز پیش کی کہ مرکزی دفتر کو دہلی سے پشاور منتقل کر دینا چاہیے، کیونکہ پشاور کو اس تحریک کے مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ مرکز منتقل ہو گیا لیکن دہلی میں بھی ایک دفتر برقرار رہا جس کی دیکھ بھال مولانا احمد سعید کے ذمہ رہی۔

یہ دفاتر ان انجمنوں کے ماتحت کام کرتے تھے جو ہجرت کا انتظام کرتی تھیں۔ پشاور کی "انجمن مہاجرین" ۱۲ر جولائی کو تشکیل پائی۔ مولانا جان محمد اس کے صدر تھے، اور مولانا عبدالصمد، مرزا محمد سلیم خاں، علی گل خاں، آغا سید مقبول شاہ، آغا لعل بادشاہ، مولانا عبدالحکیم، حکیم قطب شاہ، حکیم عبدالجلیل، مولانا عبدالغفور، عبدالرب اور یوسف علی خاں اس کے دیگر عہدیدار تھے ۶۸؎۔ اسی طرح مردان میں مئی میں ۶۹؎ اور بنوں میں "انجمن مہاجرین" کی تشکیل عمل میں آئی ۷۰؎۔ مہاجروں کو سہولتیں پہنچانے کے لیے رضاکاروں کے جتھے بھی تیار کیے گئے۔

۶۵؎ عادل عباسی، تصنیف مذکور، ص ۱۳۲

۶۶؎ مشیر الحق "Muslim Politics in Modern India." (لاہور، تاریخ ندارد) ص ۱۴۳، ۱۴۴

۶۷؎ عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۷۶۵۔

باقی برصفحہ آئندہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ

۶۸؎ عبدالاکبر خاں اکبر "کاروان آزادی، منزل اول سفرنامۂ روسی ترکستان ۱۹۲۰-۱۹۲۲ء" (چارسدہ ۱۹۷۲ء) ص ۲۷۔ اللہ بخش یوسفی "سرحد اور جدوجہد آزادی" (لاہور، ۱۹۶۸ء) ص ۲۱۵-۲۱۶

۶۹؎ "زمیندار" ۷ر مئی اور ۱۶ر مئی ۱۹۲۰ء۔ و نیز ڈائری مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۹۲۰ء مخزونہ، ملک لعل خاں پیپرز بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۱ ح

۷۰؎ لعل بہا "Hijrat Movement and the North-West Frontier Province." مشمولہ "Islamic Studies." (اسلام آباد) خزاں ۱۹۷۹ء ص ۲۳۵

تحریک ہجرت ــــــ سیاسی اکابر کا نقطۂ نظر

تحریک ہجرت کو اس دور کے بعض ممتاز اور با اثر رہنماؤں، مثلاً حسرت موہانی، حکیم اجمل خاں، محمد علی جناح، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، علامہ اقبال، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آصف علی، چودھری خلیق الزماں، سر محمد شفیع، سر فضل حسین وغیرہ کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا [۴۵]۔ ان رہنماؤں کا خیال تھا کہ یہ تحریک مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے تحریک کے جوش اور ولولہ کو کم کرنے کی اپنی سی کوشش بھی کی [۴۶]۔

"جمعیۃ" اور "مرکزی مجلس خلافت" کی مخالفت کے پس پشت ہندو رہنماؤں اور ہندو صحافت کے اثرات بھی بہت واضح تھے۔ ویسے مسٹر ایم کے گاندھی، جو تحریک خلافت کے آغاز ہی میں اس میں شامل ہو گئے تھے، تحریک ہجرت کے حامی تھے ـــــ اور

---

[۴۵] عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۷۷، ۷۷، ۸۳، ۷، قاضی عبدالغفار، تصنیف مذکور، ص ۲۲۲، سوختہ، تصنیف مذکور، ص ۴، ولیم، ایل ایف رشبروک (Williams, L.F. Rushbrook.) "The State of Pakistan." (لندن، ۱۹۶۲ء) ص ۹، چودھری خلیق الزماں "شاہراہ پاکستان" (کراچی، ۱۹۶۷ء) ص ۳۷۷، البیرونی، اے ایچ "Makers of Pakistan and Modern Muslim India." (لاہور، ۱۹۵۰ء) ص ۱۷۷؛ ٹائن بی، آرنلڈ جے (Toynbee, Arnold J.) "Survey of International Affairs, 1925." (لندن، ۱۹۲۷ء) "آفتاب" ۳۰ مارچ، ۱۰ مئی ۱۹۲۰ء، "پیسہ اخبار" ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء ونیز نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۳-۵۴

[۴۶] سب سے زیادہ حکیم اجمل خاں اس تحریک سے غیر مطمئن تھے حتیٰ کہ انہوں نے امیر افغانستان کو مشورہ دیا کہ وہ مہاجرین کے سلسلہ کو بند کرائیں ......۔ اس زمانہ میں حکیم صاحب اور امیر کے درمیان خاص ذرائع سے گفتگو ہوا کرتی تھی۔ حکومت ہند کو بھی اس کا علم تھا۔ قاضی عبدالغفار، تصنیف مذکور، ص ۲۲۲

انہوں نے کبھی منظر عام پر اس کی مخالفت نہیں کی [۹۲] ان کا خیال تھا کہ حکومت برطانیہ پر اثر ڈالنے کے لحاظ سے یہ تحریک گو مفید نہیں [۹۳]، لیکن مسلمانوں کے لیے ایک ایسے ملک سے چلے جانا ہی بہتر ہے جہاں ان کے مذہبی جذبات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ ان کے لیے مشکلات کی زندگی شاہانہ زندگی سے کہیں بہتر ہے [۹۴] شاید اسی رویہ کے ماتحت وہ تقریباً دس سال کے بعد ستیہ گرہ کے لیے ہجرت کو بھی خاص اہمیت دینے لگے تھے [۹۵] لیکن وہ صرف اس وقت اسے اختیار کرنے کی ضرورت سمجھتے تھے جب عدم تعاون کا آخری اقدام بھی ناکام ہو جائے [۹۶]

تحریک خلافت کے رہنماؤں کے پیش نظر یہ احساس رہا ہوگا کہ اگر انہیں ہندوؤں کی حمایت حاصل کرنی ہے تو انہیں افغانستان کے حملے کے خوف سے، جو تحریک ہجرت کا ایک مقصد تھا، ہندوؤں کو محفوظ رکھنا ہوگا۔ اسی احساس کے تحت مولانا محمد علی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں نے ہجرت کے لیے بہت عجلت سے کام لیا، ابھی انہیں ترک موالات میں حصہ لینا چاہیے تھا [۹۷] مولانا شوکت علی نے بھی اگر اسی خیال کے تحت "جمعیۃ" اور "مجلس خلافت" کے فیصلہ

---

[۹۲] بعض مصنفین، جیسے راجپوت، اے بی "Muslim League, yesterlay and today." (لاہور، ۱۹۴۸ء) ص ۳۲ اور برگس، ایف ایس "The Indian hijrat of 1920." (Briggs, F.S.) مشمولہ ".blrow milaum edT" اپریل ۱۹۳۰ء ص ۱۶۴، یہ سمجھتے تھے کہ تحریک ہجرت کے محرک دراصل مسٹر گاندھی تھے۔ "اس تحریک میں گاندھی صاحب نے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔ اگر مسلمان جا کر واپس نہ آتے تو کم از کم اتنا فائدہ تو ہوتا کہ ان کی آبادی کم ہو جاتی۔" مولوی خیر الدین "داستان پاستان" (لاہور، ۱۹۴۵ء) ص ۳۰۰

[۹۳] گاندھی بنام شردھانند، مورخہ ۲ رمئی ۱۹۲۰ء، مشمولہ "The collected works of Mahatma Gandhi." جلد ۱۸ (دہلی، ۱۹۵۸ء) ص ۳۸۱ و نیز "پیسہ اخبار" ۲۹ رجولائی ۱۹۲۰ء

[۹۴] "Young India." ۲۱ رجولائی ۱۹۲۱ء، مشمولہ ایضاً، جلد ۲۸، مکتوب ۴۹

[۹۵] دھون، جی۔ "The political philospphy of Mahatma Gandhi." (احمد آباد، ۱۹۵۱ء) ص ۲۷۸

[۹۶] [illegible] IOL، نومبر ۱۹۲۰ء بحوالہ نعیم قریشی تصنیف مذکور، ص ۲۵۴

[۹۷] "خطبات محمد علی" ص ۸۳

کو تسلیم کر لیا تو یہ امر باعث تعجب نہیں تھا۔ اپنے ایک بیان میں، جو انہوں نے جولائی میں جاری کیا، کہا کہ جب تک تحریک ترک موالات جاری ہے اور یہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ جاتی، ہجرت غیر دانشمندی کی دلیل اور متحدہ اقدام کو زک پہنچانے کے مترادف ہوگی ۴۰؎

۴۰؎ "INDU"

تحریکِ ہجرت کا آغاز

جہاد اور ہجرت کے لیے رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے متعدد کوشش کی گئیں۔ یہ کوششیں صوبۂ متحدہ، سندھ، پنجاب اور صوبۂ سرحد میں زیادہ ہوئیں، جہاں تحریک کے لیے حوصلہ افزا صورت حال نظر آتی تھی اور جہاں منتظمین کے واضح اثرات موجود تھے۔ مولانا عارف ہسوی اور ان کے اخبار "حریت" (دہلی) نے تحریک کی بے پناہ سربراہی اور حمایت کی اور اسے سارے ہندوستان میں شہرت عطا کی۔[۸۱] تبلیغی مواد بھی بکثرت تقسیم کیا گیا اور ایسے مبلغ تیار کیے گئے جو جگہ جگہ جا کر تحریک کو پھیلانے کا کام کرتے۔ ان کاموں کے لیے مساجد کو بالخصوص استعمال کیا گیا۔ منبروں پر سے کہا جانے لگا تھا کہ جو مسلمان ہجرت نہیں کریں گے وہ بے دین ہو جائیں گے۔ ادیب اور شاعر اپنی تخلیقات سے عام جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ ایسی تحریریں ایک بڑی تعداد میں شائع ہوئیں جن میں افغانستان کی زندگی کے دل کش پہلو بیان کیے گئے تھے۔ لوگوں سے ایسی داستانیں کہی جانے لگیں جن میں مہاجرین کے استقبال کے مناظر پیش کیے جاتے تھے۔ ان میں کہا جاتا تھا کہ امیر افغانستان نے ان کو تحفہ میں دینے کے لیے جبل السراج کا زرخیز خطہ مخصوص کر رکھا ہے۔ ان کے رہن سہن اور کھانے پینے کی ذمہ داریاں ان کے ہم مذہب افغانوں نے قبول کر لی ہیں اور وہاں تین مہینے تک انہیں مطلق کوئی کام نہیں کرنا ہوگا۔ ایک "نظام نامہ" کا بھی خوب چرچا ہوا، جسے مبینہ طور پر افغان قونصل نے مرتب کر کے شاہی فرمان کے ساتھ، جس میں ہندوستانی مہاجرین کو افغانستان آنے کی دعوت دی گئی تھی، منسلک کر کے بھیجا تھا۔ اس میں یہ نوید سنائی گئی تھی کہ ہر مہاجر کو تین ایکڑ زمین دی جائے گی اور زمین بونے کے لیے تقاوی بھی ملے گی۔[۸۲] اسی سلسلہ میں بعض بیہودہ

۸۱؎ عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۱ تا ۸۲، ۸۴ ۸۲؎ ایضاً: ص ۸۴ تا ۸۶

باتیں بھی عام ہوگئیں۔ لوگوں سے یہ بھی کہا جانے لگا کہ مکہ اور مدینہ پر برطانیہ نے قبضہ کر لیا ہے اور خانۂ کعبہ کو ڈھا دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کی جانے والی ہے اور جمعہ کے بجائے اتوار کا دن عبادت کے لیے مخصوص کیا جا رہا ہے۔ حکومت ہر شخص کی آدھی جائیداد ضبط کرنے والی ہے۔ بھاری محصول عائد کیے جا رہے ہیں اور انگریز سپاہیوں کو دیہاتوں میں عورتوں کی بے حرمتی کرنے کی آزادی دی جا رہی ہے[۵۳]
سادہ ذہنوں اور ان پڑھ لوگوں پر ان افواہوں کا شدید اثر یقینی تھا۔

بنیادی طور پر تو تحریک ہجرت کے محرکات مذہبی ہی تھے، لیکن دوسرے عوامل بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے ایک کاشتکاروں کے غیر مساوی حالات بھی تھے بعض لوگ اس خیال سے خوش ہو گئے کہ انھیں افغانستان میں زیادہ بہتر معاشی فوائد حاصل ہوں گے[۵۴]
چنانچہ ہجرت کی تحریک کو ان علاقوں ــــــ یوپی، سندھ اور صوبۂ سرحد ــــــ میں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی جہاں بالخصوص کاشتکاروں کے حالات معاشی لحاظ سے خستہ تھے۔ پنجاب میں، جہاں حالات قدرے بہتر تھے، شہری علاقے اس تحریک سے بہت کم متاثر ہوئے۔

ایسے پرجوش مسلمان بھی تھے، جو اس تحریک کے توسط سے افغانستان کے راستہ

---

۵۳ تفصیلات کے لیے: وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۷ رمئی ۱۹۲۰ء، پی ۳۷۹، چیمسفورڈ پیپرز۔ گرانٹ بنام کارٹر ۱۴۲۰-آر، ۲۱ رمئی ۱۹۲۰ء، IOL ; PSSF پی ۲۰۔ ۷/۲۰/ ۱۹۲۰ء، وغیرہ بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۱ ج، لعل بہا، تصنیف مذکور ص ۲۳۴۔ سوختہ، تصنیف مذکور، ص ۳-۴، قاضی عبدالغفار "حیات اجمل" (علی گڑھ، ۱۹۵۰ء) ص ۲۲۲، خان عبدالغفار خان "My Life and Struggle." (دہلی، ۱۹۶۹ء) ص ۵۰۔
نظم و نثر پر مشتمل تخلیقات کے لیے: حاجی احمد "درد خلافت" (علی گڑھ ۱۹۲۱ء)، انجمن اصلاح المسلمین "نالۂ خلافت" (لاہور، ۱۹۲۰ء)، محمد بدرالدین "آئینۂ عبرت" (مراد آباد، ۱۹۲۰ء)، سید کمال الدین جعفری "خلافت اور مسلمانوں کا فرض" (الہ آباد، ۱۹۲۰ء)، فارغ بخاری "باچا خان (لاہور تاریخ ندارد) ص ۵۴، لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۲۳۶ ــ ۲۳۷، زمیندار" ۳ ر، ۲۰ ر، ۳۰ ر جولائی ۱۹۲۰ء ۴ رستمبر ۱۹۲۰ء "پیسہ اخبار" ۱۷ رجولائی ۱۹۲۰ء "سیاست" ۲۸ رجون، ۸ ر، ۲۸ ر جولائی، ۹ راگست، ۷ ر، ۸ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ۵۴ وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲۶ رجون ۱۹۲۰ء چیمسفورڈ پیپرز بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۲ ج

ترکی تک پہنچنا چاہتے تھے تاکہ خلیفۃ المسلمین کے لیے جہاد میں حصہ لے سکیں ۸۴؎ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اس طرح ہجرت کے وسیلہ سے ایسا موقعہ حاصل کرنا چاہتے کہ ایک پڑوسی اور دوست ملک سے مدد حاصل کرکے ہندوستان میں برطانوی طاقت کا مقابلہ کر سکیں ۸۵؎۔ بہرحال اس تحریک کے پرجوش داعی اس خیال سے سرشار تھے کہ وہ بالآخر ایک متوازی حکومت قائم کرکے ہندوستان سے برطانیہ کو نکال باہر کریں گے ۸۶؎

اسباب چاہے جس قدر رہے ہوں ۸۷؎، تحریک ہجرت نے اس حد تک زور پیدا کر لیا کہ تحریک عدم تعاون اس کے سامنے ماند پڑ گئی ۸۸؎ اس کی مقبولیت اور زور و اثر کو دیکھتے ہوئے عزیز ہندی نے وائسرائے کو ایک تار بھیجا کہ حکومت برطانیہ کے وفاداروں کے لیے امن اور سکون کے ساتھ ہندوستان میں رہنا مشکل ہو گیا ہے ۸۹؎۔ ایک دوسرا تار افغان وفد کے سربراہ محمود طرزی کو بھیجا گیا، جس میں امیر افغانستان کی پیش کش کا شکریہ ادا کیا گیا ۹۰؎۔ مئی کے آغاز تک ۳۳۸ افراد افغانستان ہجرت کے لیے تیار ہو چکے تھے ۹۱؎ چنانچہ ایک بڑی تعداد میں مہاجرین پشاور پہنچنے لگے۔ ان میں بیشتر دہلی، بھوپال اور لاہور

۸۴؎ مظفر احمد "The Communist Party of Indian and its Formation Abroad." (کلکتہ، ۱۹۶۲ء) ص ۱۶، و نیز حاشیہ ۳۸

۸۵؎ ایضاً، و نیز شوکت عثمانی "Peshawar to Moscow." (بنارس، ۱۹۲۷ء) ص ۱۔

۸۶؎ وائسرائے بنام سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۱۹ر جون ۱۹۲۰ء، چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۲ ح

۸۷؎ بعض افراد، مثلاً مولانا آزاد نے اس کا محرک حکومت برطانیہ کو بھی قرار دیا ــــ عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۷۶

۸۸؎ قاضی عبدالغفار، تصنیف مذکور، ص ۲۲۲۔

۸۹؎ خادم المہاجرین غلام محمد عزیز بنام وائسرائے، مورخہ ۲۶ر اپریل ۱۹۲۰ء مشمولہ "Civil and Military Gazette." ۱۸ر اپریل ۱۹۲۰ء اور عزیز کے "The Indian Khilafat Movement." (کراچی ۱۹۷۲ء) ص ۱۱

۹۰؎ سیٹ، سی۔ ای۔ ..... "Unrest in India, The Question of the Khaliphate." مشمولہ "Asiatic Review." (لندن) جلد ۱۶، ۱۹۲۰ء ص ۳۷۹ ــ ۳۸۰، "پیسہ اخبار" ۲۹ر اپریل ۱۹۲۰ء، عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۲ ح

۹۱؎ "زمیندار" ۷ر مئی ۱۹۲۰ء

سے آئے تھے [۹۲] کچھ پرجوش افراد نے پہلے ہی خفیہ طور پر سرحد پار کر لی تھی، کیونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں پولیس انہیں گرفتار نہ کر لے [۹۳] مئی کے اوائل ہی میں خیبر کے پولیٹیکل ایجنٹ نے اطلاع دی کہ چالیس افراد درۂ خیبر کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے جلال آباد پہنچ گئے ہیں [۹۴] لیکن دراصل صحیح معنوں میں ہجرت کا آغاز ۱۸ رمئی سے ____ ترکی سے معاہدہ امن کی ہندوستان میں اشاعت کے ٹھیک تین دن بعد ____ ہوا، جب پرجوش مہاجرین کے پہلے قافلے نے مسرت اور کامیابی کے احساس سے سرشار ہو کر سرحد پار کی [۹۵] لیکن پھر بھی ہجرت کی رفتار، مولانا ظفر علی خان اور مولانا عطا اللہ شاہ بخاری جیسے رہنماؤں کی تحریک کے باوجود سست رہی۔ اگرچہ ہجرت کے لیے نام درج کرانے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ہجرت کرنے والے کم تھے۔ جون کے آخر تک محض ۱۳۳۲ افراد نے، جن میں سے زیادہ کا تعلق پنجاب کے وسطی ضلعوں اور دہلی، بھوپال، بیکانیر اور پشاور سے تھا، افغانستان ہجرت کی [۹۶] جون کے اوائل میں ہجرت کی اس سست رفتاری کا سبب بیان کرتے ہوئے وائسرائے نے سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند سے کہا تھا کہ اس ہجرت کے مقاصد زیادہ جاذب توجہ نہیں ہیں۔ اس کا کوئی نتیجہ بھی نہیں نکل سکے گا۔ اور جو ہجرت کر رہے ہیں انہیں کوئی معاشی تعاون حاصل نہیں ہو سکے گا [۹۷]۔

اس سست رفتاری میں "جمعیۃ العلمائے ہند" اور "مرکزی مجلس خلافت" کی نارضامندی کا بھی بڑا دخل تھا۔ جون کے اوائل میں ان دونوں جماعتوں نے اپنے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں، مولانا آزاد کے فتوی اور مولانا شوکت علی کے تائیدی دلائل کے باوجود ہجرت کو انفرادی صوابدید پر منحصر رکھا تھا۔ اس فیصلہ کا بنیادی سبب یہی تھا کہ یہ دونوں جماعتیں، جو تحریک ترک موالات کے حق میں تھیں، ہجرت کی طرح کی کسی اور تحریک کی الجھنوں سے دوچار ہونا نہیں چاہتی تھیں۔

۹۲ـه نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۲

۹۳ـه مظفر احمد، تصنیف مذکور ص ۱۳

۹۴ـه نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۲-۵۳

۹۵ـه "Rajput gazettee" (لاہور) ۲۲ رمئی ۱۹۲۰ء، بحوالہ ایضاً، ص ۵۳ ح

۹۶ـه وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲۶ رجون ۱۹۲۰ء چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ ایضاً

۹۷ـه تار [illegible] ۱۹۲۰ء چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ ایضاً۔

تحریک ہجرت کا عروج

جولائی کے آغاز میں تازہ کوششوں کی وجہ سے مہاجرین کی ایک بڑی تعداد نے ہجرت شروع کر دی [98] حکومت نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی، کیونکہ یہ مذہبی بنیادوں پر استوار ہوتی تھی اور غیر قانونی نہیں تھی۔ پھر صوبہ سرحد کے کمشنر کو خدشہ تھا کہ اگر اس نے بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں شروع کر دیں تو اس طرح شعلے مزید بھڑکنے لگیں گے [99] اس وقت اس تحریک کا زور سندھ میں کافی نمایاں تھا۔ وہاں سے مہاجرین کا ایک بڑا قافلہ اپنے خاندانوں کے ساتھ سندھ کے ایک ممتاز وکیل جان محمد جونیجو کی قیادت میں ایک خصوصی ریل گاڑی کے ذریعہ پشاور کے لیے روانہ ہوا [100] اس میں ساڑھے سات سو مہاجر سوار تھے [101] سندھ سے مہاجرین کی روانگی کی خبر نے خصوصاً پنجاب میں ہجرت کے لیے جوش اور جذبہ کی ایک لہر دوڑا دی [102] ان کی پشاور آمد نے وہاں تحریک کو مزید بھڑکانے کا کام

---

[98] وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۲۰ء، چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ ایضاً، ص ۵۵، حصار (پنجاب) کے ڈپٹی کمشنر نے اس موقع پر اطلاع دی کہ ـــــ انسانی ذہن کی اختراع 'ہجرت' کا چاہے جو انجام ہو، کابل کی جانب اس کا آغاز ہو چکا ہے۔ بحوالہ ایضاً۔

[99] چیف کمشنر بنام وائسرائے، ۷ر اور ۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء بحوالہ رمبولڈ، تصنیف مذکور، ص ۲۰۹۔

[100] وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۲۰ء چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۵ ح، اس کے کل اخراجات (۲۵۰۰۱ روپے) جان محمد جونیجو نے اپنی جیب سے ادا کیے ـــــ "پیسہ اخبار" ۱۵ر جولائی ۱۹۲۰ء،

[101] لاڑکانہ سے ۲۲۸، جیکب آباد سے ۱۱۳، سکھر سے ۲۸ افراد ـــــ اور باقی دوسرے اضلاع سے تعلق رکھتے تھے ـــــ "الوحید" (کراچی) ۱۴ر جولائی ۱۹۲۰ء، تفصیلات کے لیے زاہدہ میمن "A Hero of Khilafat Movement." مشمولہ CROSS ROOTS مجلہ خزاں ۱۹۷۷ء، ص ۴۰-۵۳

[102] "The Times" ۱۴ر جولائی ۱۹۲۰ء بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۵ "توحید" ۵ر اگست ۱۹۲۰ء

کیا، جہاں پہلے ہی سے ایک انگریز سپاہی کے ہاتھوں پشاور اور جمرود کے درمیان کچا گڑھی کے ایک بلوہ میں ایک مہاجر کی ہلاکت کے نتیجہ میں جذبات بہت مشتعل ہو رہے تھے ۱۰۳ بہت جلد سارے صوبۂ سرحد میں تحریک ہجرت کا جوش اور ولولہ پھیل گیا ۱۰۴ اس کا زیادہ زور پشاور اور مردان کے دیہی علاقوں، خاص طور پر دوآبہ اور چارسدہ میں دیکھنے میں آیا۔ کاشت کار اپنی زرعی زمینیں اور جائیدادیں تک چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے ۱۰۵ بدطینت زمیندار اور سود خور، جو زیادہ تر ہندو تھے، سادہ لوح کاشتکاروں کو بھڑکانے اور انہیں ہجرت کی ترغیب دینے کا کام کرتے رہے تاکہ سستے داموں ان کی زمینیں اور جائیدادیں خرید سکیں ۱۰۶ نتیجۃً غریب کاشتکاروں کو بہت سستے داموں اپنی زمینیں اور جائیدادیں فروخت کرنی پڑیں ۱۰۷ لوگوں پر ہجرت کا جوش اس قدر غالب ہو رہا تھا کہ اس میں تاخیر ان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس خیال سے کہ پکی فصلوں کے کٹنے تک کہیں تاخیر نہ ہو جائے اور یہ کہ ان فصلوں سے کہیں انگریز فائدہ نہ اٹھالیں، پکی فصلیں جلادی گئیں ۱۰۸

۱۰۳ IOL ICHPP، دسمبر ۱۹۲۰ء بحوالہ نعیم قریشی، ایضاً۔ تفصیلات کے لیے، اللہ بخش یوسفی، تصنیف مذکور، ص ۷، ۲۱، لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۲۳۳

۱۰۵ IOL "Judicial and Public Department." (آئندہ JPD) ۶۶۷۸/۱۹۲۰ء بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۵

۱۰۶ ایضاً ــــ حکومت کی روداد کے مطابق ان خریداروں میں زیادہ تر کاکاخیل اور ہندو بنیے تھے ــــ لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۲۳۵۔

۱۰۷ وہاں کے بعض علاقوں میں جہاں زمین کی قیمت دس ہزار روپے تھی، محض سو روپے میں فروخت ہوئی دوسو روپے کے بیل صرف چالیس روپے میں خریدے گئے۔ اسی طرح دوسری تمام چیزیں نہایت سستے داموں فروخت ہوئیں ــــ وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ، تار، مورخہ ۳۰/جولائی ۱۹۲۰ء چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۵، و نیز اللہ بخش یوسفی، تصنیف مذکور، ص ۲۱۴-۲۱۵۔

۱۰۸ عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۲۵، ایک کم سن بچہ کو اس کے سرپرستوں نے اس لیے دریا میں پھینک دیا کہ وہ سرحد پار کرتے ہی جب مسلح ہو کر انگریزی افواج سے جہاد کریں گے تو اس وقت اس بچہ کی دیکھ بھال کیسے ہو سکے گی ــــ ایضاً ص ۸۲۴-۸۲۵، اسی طرح بعض ماؤں نے راستہ میں پیدا ہونے والے بچوں کو وہیں راستوں میں چھوڑ دیا ــــ لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۲۳۵

اس دوران ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مہاجرین کے قافلے پشاور پہنچتے رہے قافلوں کی زیادہ تر تعداد خود صوبہ سرحد اور پھر پنجاب اور سندھ سے تعلق رکھتی تھی۔ کئی صورتوں میں کل خاندان اور بعض صورتوں میں پورے پورے گاؤں ہجرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ۳ر اگست تک تیرہ ہزار مہاجرین نے سرحد پار کی تھی لیکن محض ایک ہی ہفتہ بعد یہ تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی اور یہ سلسلہ جاری رہا[۱۰۹] اور اسی ماہ یہ تعداد چالیس ہزار ہو گئی[۱۱۰] لیکن پھر بھی یہ تعداد مکمل نہیں ہے۔ متعدد مہاجرین نے مہاجرین کی انجمنوں کی مدد کے بغیر بھی ہجرت کی اور بہت سے مہاجرین نے کابل میں اپنا نام درج کرانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ اس کے علاوہ مہاجرین کی ایک خاصی تعداد نے درۂ خیبر کے بجائے دوسرے راستے بھی اختیار کیے۔ یہ راستے مہمند علاقہ کے علی گنڈی اور گنداب سے ہو کر گزرتے تھے[۱۱۱] ان سب سے بڑھ کر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہجرت بھر طور جاری رہی اور مہاجرین فی ہفتہ سات سے آٹھ ہزار کی تعداد میں افغانستان میں داخل ہوتے رہے[۱۱۲]۔

---

[۱۰۹] چیف کمشنر بنام سکرٹری خارجہ، حکومت ہند، تار، مورخہ ۳ر اگست و نیز ۹ر اگست ۱۹۲۰/۱۶۷۶، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۶ ح اور برگس، تصنیف مذکور، ص ۱۶۵۔

[۱۱۰] نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۶۔

[۱۱۱] لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۲۳۵۔

[۱۱۲] نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۶۔

حکومت ہند کا رویہ

حکومت ہند کا رویہ اس تحریک کے تعلق سے بظاہر پرسکون تھا لیکن اسے تشویش ضرور رہی۔ وہ ایسے اقدام کی بابت بھی سوچ میں رہی کہ کسی طرح حکومت افغانستان اس تحریک کی حوصلہ افزائی ختم کر دے ۱۳؎ بہر حال جو صورت حال متوقع تھی، وہ بھی بالآخر پیش آگئی۔ افغان حکمران مہاجرین کی اس تعداد سے گھبرا گئے۔ اب تک وہ سمجھتے تھے کہ حکومت ہند خود مہاجرین کو روکے گی لیکن ان کی یہ توقع پوری نہ ہوئی، چنانچہ انہوں نے مزید مہاجرین کی آمد کو روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۹ر اگست ۱۹۲۰ء کو امیر افغانستان نے ایک فرمان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ صرف ان مہاجرین کو افغانستان میں قبول کیا جائے گا جو آ چکے ہیں۔ مزید مہاجرین کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی ۱۴؎ مہاجرین کو روکنے کا یہ ایک واضح اشارہ تھا۔ ایک لحاظ سے افغان حکومت کا سابقہ رویہ حکومت ہند سے اس کے معاہدہ کی مسوری میں ہونے والی بات چیت کی خاطر تشکیل پایا تھا، جسے وہ حکومت ہند پر زور ڈالنے کے لیے استعمال کرنا چاہتی تھی۔

۱۳؎ ایک روایت کے مطابق حکومت نے علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی کو لالچ دیا کہ وہ افغانستان میں انگریزی سفارت کے عہدہ کو قبول کرتے ہوئے وہاں مہاجرین اور حکومت میں ٹکراؤ پیدا کر دیں۔ اس سلسلہ میں انہیں چار ہزار روپے ماہوار تنخواہ کی پیش کش بھی کی گئی۔ علامہ مشرقی نے اس پیش کش کے حوالے سے صوبہ سرحد کے ایک سرگرم محرک ہجرت حاجی جان محمد کو ہجرت سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور خود یہ پیش کش ٹھکرا دی۔ انہیں یہ یقین تھا کہ یہ ہجرت چند ہفتوں میں از خود ختم ہو جائے گی ــــــــ اللہ بخش یوسفی، تصنیف مذکور، ص ۲۱۹۔

تحریک ہجرت ــــ مشکلات ومصائب

جب افغانستان اور برطانیہ کے تعلقات میں بہتری کے آثار نمودار ہونے شروع ہوئے تو مہاجرین سے افغان حکومت کا رویہ بدل گیا۔ خود حکومت ہند بھی افغان حکومت کے ساتھ مناسب معاہدہ کی خواہاں تھی۔ کیونکہ کابل کی دوسری طرف اسے اشتراکی انقلاب کے بڑھتے ہوئے بادلوں سے ہندوستان کے لیے خطرات پیدا ہوتے محسوس ہو رہے تھے [۱۱۵]

افغانستان کے لیے مشکلات کا ایک اور سبب بڑھتا ہوا معاشی بوجھ تھا، جسے اب اس کو برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ معاشی اعتبار سے افغانستان کی طرح کے ایک غریب ملک کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ ایسے لوگوں کا بوجھ اٹھاتا ــــ جو آسائشوں کے حسین خواب دیکھتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور جو کہ خود اپنے عوام کو خوش حالی نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے باشندوں کی ایک تعداد کو ہر موسم سرما میں حصول معاش کے لیے ہندوستان بھیج دیا جاتا تھا [۱۱۶]۔ مہاجرین کی آبادکاری افغانستان کی تنگ دست حکومت کے لیے بڑا دشوار مسئلہ ثابت ہوئی۔ مہاجرین افغانستان میں رہنے کے باوجود ہندوستان سے مالی امداد کی توقع میں رہتے تھے [۱۱۷] چنانچہ ان کی مالی امداد کے لیے ہندوستان کے

---

[۱۱۴] نعیم قریشی، تصنیف مذکور ص ۵۶ و نیز عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۲۲

[۱۱۵] ریولڈز، تصنیف مذکور، ص ۱۸۰، ۲۵۸۔

[۱۱۶] اس ہجرت کا ایک انوکھا پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ خوست کے رہنے والے کچھ افغان باشندوں نے، جو مہاجرین کے حق میں اپنی زمینوں سے دستبردار ہو گئے تھے، بنوں کے ڈپٹی کمشنر سے افغانستان چھوڑ کر ہندوستان آکر آباد ہونے کی اجازت چاہی ــــ چیف کمشنر صوبہ سرحد بنام سکرٹری خارجہ، حکومت ہند، تار مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء JPD IOL ۲۸/۶/۱۹۲۰ء بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۶

[۱۱۷] عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۲۳

طول وعرض میں کئی اڈے قائم ہوتے ۱۱۸ھ افغان حکومت میں انتظامی استعداد کا فقدان بھی تھا ۱۱۹ھ بالآخر اس نے ۱۳ راگست کو اپنی سرحدیں مہاجرین کے لیے بند کر دیں ۱۲۰ھ اس کے نتیجہ میں ہجرت رک گئی ـــــ اور مہاجرین کا جوش وخروش ختم ہو گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ مہاجرین کابل سے واپس بھی ہونے لگے ۱۲۱ھ وہ افغانستان میں بے رخی اور سرد مہری کے رویہ سے سخت مایوسی کا شکار ہوئے تھے ۱۲۲ھ جس اضطرابی حالت میں وہ افغانستان کے لیے روانہ ہوتے تھے اسی اضطرابی حالت میں وہ ہندوستان کے لیے واپس ہوئے ۱۲۳ھ لیکن اب یہاں ان کے لیے وہ حالات نہیں تھے جن میں ہجرت سے کچھ عرصہ قبل وہ زندگی گزار رہے تھے ۱۲۴ھ یہاں انہیں پھر سے آباد ہونے میں بڑا وقت لگا۔ بعض مقامات پر تو ان کی واپسی کو خلاف اسلام سمجھا گیا اور کفر کے طعنے دیئے گئے ۱۲۵ھ یہ بات کسی کے گمان میں بھی نہ تھی کہ ہجرت کو رد کیا بھی جا سکتا ہے۔ جب یہ خبر ہجرت کی انجمنوں اور دفاتر میں پہنچی تو وہ اسے عام کرنے سے خوف زدہ رہے کہ عوام کے رد عمل کو وہ کسی طور پر روک نہیں سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب بعض مقامات پر ذمہ دار منتظمین نے یہ خبر پہنچائی تو انہیں ان لوگوں کے تشدد کا نشانہ بننا پڑا جو ہجرت کے معاملہ میں سنجیدہ تھے ۱۲۶ھ خود صوبہ سرحد کے چیف کمشنر میں اتنی جرأت نہیں رہی کہ

۱۱۸ھ ایضاً، ص ۹ ۴ ۸ ۱۱۹ھ ایضاً، ص ۸۲۳ ۱۲۰ھ رمبولڈ، تصنیف مذکور، ص ۲۰۹-۲۱۰

۱۲۱ھ یہاں تک کہ اس تحریک کے ایک نہایت سرگرم اور پرجوش رہنما جان محمد جونیجو نے سندھ سے جلال آباد پہنچ کر چند ہی دنوں میں اخبار "الوحید" کو لکھا کہ "سندھی بھائیوں کو اطلاع دی جائے کہ چونکہ شدید گرمی کا موسم ہے اور سخت موسم کی وجہ سے سفر کے دوران ہی متعدد افراد جان بحق ہو چکے ہیں اور بہت سے بیمار ہیں اس لیے وہ فی الحال ہجرت کا ارادہ معطل رکھیں" ـــ "الوحید" ۵ راگست ۱۹۲۰ء

۱۲۲ھ چیف کمشنر صوبہ سرحد بنام سکرٹری خارجہ حکومت ہند، تار، مورخہ ۲۰ راگست ۱۹۲۰ء JPD IOL/۶۸۸۲/۱۹۲۰ء بحوالہ النعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۶، تفصیلات کے لیے۔ عزیز ہندی، تصنیف مذکور ص ۸۲۲-۸۲۵ اور عبدالحمید خان، تصنیف مذکور، ص ۵۶ ۱۲۳ھ "پیسہ اخبار" ۲۸ راگست ۱۹۲۰

۱۲۴ھ کمنگ، جے Cumming, J. Political India مرتبہ (لندن، ۱۹۳۲ء) ص ۹۶

۱۲۵ھ اللہ بخش یوسفی، تصنیف مذکور، ص ۲۲۰، تفصیلات کے لیے، لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۲۳۹-۲۴۰

۱۲۶ھ تاریخ بخاری، تصنیف مذکور، ص ۵۵

وہ عوام کو امیر افغانستان کے فیصلہ سے آگاہ کر سکتا ۱۲۷ء

حکومت ہند نے مہاجرین کی واپسی کے لیے مناسب سہولتوں کی فراہمی کی کوشش کی تاکہ جیسے تیسے مہاجرین کی دل جوئی ہو سکے ۱۲۸ء جو لوگ اپنی جائیدادیں بیچ گئے تھے انہیں دوبارہ خریدنے کے مواقع دیئے گئے اور جو لوگ اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دے کر گئے تھے انہیں واپس ملازمتوں پر لے لیا گیا ۱۲۹ء ان سہولتوں کی فراہمی سے حکومت کا مقصد یہ تھا کہ کہیں یہ تحریک دوبارہ نہ سر اٹھا لے ۱۳۰ء اب وہ مطمئن تھی کیونکہ افغان حکومت کی جانب سے مہاجرین کی حوصلہ شکنی سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ افغانستان کی طرف سے ہندوستان کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔

بعض مہاجرین نے افغانستان سے نکل کر ہندوستان واپس آنے کے بجائے ایران جانے کا فیصلہ کیا۔ ایران میں اطلاع پہنچی تو وہاں کے اخبارات نے ان مہاجرین کے لیے خیر مقدمی مضامین شائع کیے لیکن قبل اس کے کہ وہ مہاجر وہاں پہنچیں ترک انقلابی رہنما انور پاشا نے، جو امیر امان اللہ خان پر اثر رکھتے تھے، امیر کو انہیں روکنے کا مشورہ دیا کہ اس طرح افغانستان کی حکومت بدنام ہو جائے گی، چنانچہ مہاجرین راستے سے واپس آنے پر مجبور ہو گئے ۱۳۱ء لیکن کچھ مہاجر بہر حال ایران پہنچے اور پھر وہاں سے عراق، شام ترکی اور حجاز وغیرہ نکل گئے ۱۳۲ء

۱۲۷ء بحوالہ لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۵۵

۱۲۸ء تفصیلات کے لیے : ایضاً، ص ۲۴۰، دنیز عبدالحمید خان، تصنیف مذکور، ص ۵۸۔

۱۲۹ء لعل بہا، تصنیف مذکور، ص ۲۴۰۔

۱۳۰ء چیف کمشنر صوبہ سرحد بنام سیکرٹری خارجہ حکومت ہند، تار، مورخہ ۱۹ راگست ۱۹۲۰ء، IOL JPD ۶۸۸۲/۱۹۲۰ء، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۷

۱۳۱ء جب یہ لوگ ایران جا رہے تھے تو افغانی دور دیہ کھڑے پکارتے "بزن این ہندیاں را این دزدانند" ـــ "مارو ان ہندوستانیوں کو، یہ چور ہیں" ـــ قاضی عدیل عباسی، تصنیف مذکور، ص ۱۳۶

۱۳۲ء حاجی فیض محمد خان "ہجرت افغانستان" مرتبہ سید دربار علی شاہ (لاہور، تاریخ ندارد) ص ۵۸-۹۴

تحریک کی ناکامی

تحریک ہجرت، جسے اپنے حالات کے تقاضوں میں بہرحال ناکام ہونا تھا، صرف چند ماہ کے عرصہ میں اپنے اختتام کو پہنچ گئی ۱۳۳۹ھ۔ یہ بہرصورت ہندوستانی مسلمانوں کی ان شدید محرومیوں کا ایک اظہار تھا، جن سے وہ ایک عرصہ سے نبرد آزما تھے، تحریک خلافت نے بھی انہیں بڑی مایوسیاں دی تھیں ـــــ اور تحریک ہجرت اس کا ایک نتیجہ بھی تھی۔ لیکن نتیجہ چاہے، ناکامی ہی رہا، اس کا واضح مقصد حکومت برطانیہ کی مخالفت کے اظہار میں مضمر تھا۔ مہاجرین کا جوش اور ولولہ اپنے عروج پر تھا لیکن وہ مکمل طور پر پرامن رہے۔ اس ساری تحریک نے ایک مخصوص رومانی فضا میں جنم لیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہجرت اپنے عین اسلامی مفہوم کے لحاظ سے اور اس وقت کے ہندوستانی ماحول میں نہ تو ایک غیر منطقی واقعہ تھا اور نہ ایک غیر متوقع حادثہ۔ یہ ایک غیر منظم تحریک ثابت ہوئی جس کے لیے نہ مناسب منصوبہ بندی کی گئی اور نہ کامیابیوں اور ناکامیوں کی صحیح پیش بینی سے کام لیا گیا۔ پھر اس کے معاشی اور سیاسی عواقب کا لحاظ بھی نہیں رکھا گیا۔ اس تحریک کے وکلاء درحقیقت افغان حکمت عملی میں غیر شعوری طور پر ملوث ہو کر افغان حکومت کے لیے سودمند فضا تیار کرنے کا سبب بن گئے۔ اس تحریک کی ناکامی کی ذمہ داری ان میں سے کسی نے قبول نہیں کی۔ وہ علما جنہوں نے اس کی ضرورت پر فتویٰ صادر کیا۔ اور وہ رہنما جنہوں نے مہاجرین کی حوصلہ افزائی کی ـــــ اس کے نتائج کی طرف سے آنکھیں بند کیے رہے جہاں تک اس کے مقاصد کا تعلق تھا، اپنی جگہ بہت جاذب توجہ تھے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر لینی چاہیئے اور پھر اسے دوبارہ فتح کرنا چاہیئے۔ لیکن اس مقصد کی تکمیل اس وقت تک ناممکن تھی جب تک کہ غیر ملکی طاقتیں مثلاً

۱۳۳۹ھ ویسے اس کا کل عرصہ دس سالوں پر (۱۹۳۰ء تک) محیط رہا۔ اس وقت تک یا تو مہاجرین واپس چلے آگئے یا افغانستان ہی میں رہ گئے۔ عزیز ہندی، تصنیف مذکور ص ۸۱۴

افغانستان، روس اور ترکی، معاونت نہ کرتیں۔ بہر حال اس تحریک کے داعیوں نے غیر شعوری طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو مزید ابتلا میں ڈال دیا۔ اس تحریک سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد متاثر ہوئی۔ ان چالیس ہزار مہاجرین کے علاوہ، جن کی تعداد کا اندازہ افغان حکومت نے لگایا تھا۔ تقریباً سات ہزار مہاجرین نے امیر افغانستان کے مذکورہ فرمان کے اجرا کے بعد بھی سرحد عبور کر لی تھی۔ درۂ خیبر کے بجائے دوسرے راستوں سے جانے والے مہاجروں کی صحیح تعداد کا کوئی اندازہ نہیں۔ ستمبر تک بھی مہاجروں کی مختلف ٹولیاں ہندوستانی سرحد عبور کرتی رہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق ساٹھ ہزار سے زائد افراد نے ہجرت کی تھی [۱۳۴]۔ بہر حال ان مہاجرین میں سے تقریباً ۷۵ فیصد ہندوستان واپس آ گئے۔ باقی یا تو وہیں رک گئے اور افغانوں میں مدغم ہو گئے یا روس اور ترکی منتقل ہو گئے۔ ان میں سے ایک خاصی تعداد راستہ ہی میں مختلف امراض اور دیگر وجوہات کے نتیجہ میں جاں بحق بھی ہوئی [۱۳۵]۔ یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں جو افغانستان میں یا روس اور ترکی کے راستوں میں فوت ہوئے۔ جو ہندوستان واپس گئے انہیں بحال ہونے میں ایک عرصہ لگ گیا [۱۳۶]۔

۱۳۴۔ مہاجرین کی تعداد کے مختلف اندازے لگائے گئے تھے ہیں۔ ان اندازوں کے مطابق اٹھارہ ہزار سے لے کر بیس لاکھ افراد تک نے ہجرت کی۔ پنجاب خلافت کمیٹی نے ایک لاکھ بیس ہزار کا اندازہ لگایا تھا۔ ملک لعل خاں کا خیال تھا کہ دو لاکھ پینتیس [۳۵] ہزار افراد نے ہجرت کی تھی۔ ایک مہاجر کے مطابق ایک وقت میں صرف کابل میں مہاجرین کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار تک پہنچ گئی تھی جب کہ مزید مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک دوسرے مہاجر نے یہ تعداد تیس ۲۳ ہزار بتائی۔ ایک تیسرے مہاجر کا اندازہ تھا کہ یہ تعداد چھتیس [۳۶] ہزار تک تھی۔ حکومت ہند کے اندازہ کے مطابق مہاجرین کی تعداد زیادہ سے زیادہ تینتیس [۳] ہزار تھی ـــــ ملاحظہ فرمائیے: پنجاب خلافت کمیٹی "مسئلہ ہجرت، پنجاب خلافت کمیٹی کا اعلان" (لاہور، ۱۹۲۰ء) ص ۳-۴، برکس، تصنیف مذکور، ص ۱۶۵، سوختہ، تصنیف مذکور، ص ۳۱، شوکت عثمانی تصنیف مذکور، ص ۲، وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲۱ راگست ۱۹۲۰ء ۲۸۸۲/۱۹۲۰ء، ملک لعل خاں کے لیے، نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۸ ج

۱۳۵۔ صوبۂ سرحد سے کابل تک جانے والے راستہ کے اطراف مہاجرین کی قبریں بن گئی تھیں ـــــ ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء بحوالہ ایضاً۔ ایک عینی شاہد کے مطابق درۂ خیبر قبروں سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اٹھا پڑا تھا ــــــ رشبروک ولیم، تصنیف مذکور، ص ۱۹

۱۳۶ھ کئی سال بعد مولانا حسین احمد مدنی نے اس ہجرت کا مقابلہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے نتیجہ میں ہونے والی مسلمانوں کی ہجرت سے کیا تھا اور تقسیم ہند کی مخالفت کے لیے اسے بطور دلیل استعمال کیا تھا ــــــ مکتوب بنام محمد صدیق، تاریخ ندارد، مکتوبات شیخ الاسلام مرتبہ نجم الدین اصلاحی جلد دوم (دیوبند، ۱۹۵۴ء) ص ۲۶۲-۲۶۳ ونیز قاضی عبدالغفار، تصنیف مذکور، ص ۲۲۲-۲۲۳

ناکامی کے اثرات

اس ابتلائے سے قطع نظر، جو اس تحریک کے نتیجہ میں مہاجرین کو دیکھنی پڑی، اس تحریک کی ناکامی کا اثر بڑا غیر محسوس رہا۔ اس کی ترغیب دینے والے بھی اس کے اثرات سے محفوظ ہی رہے۔ کیونکہ انہوں نے یا تو ہجرت کی نظریاتی تفسیر میں اپنے لیے پناہ تلاش کرنے کی کوشش کی یا سارا الزام افغان حکومت کے سر ڈال دیا۔ اس کی ناکامی کے نتیجہ میں علماء میں بھی کوئی ردعمل یا تفریق پیدا نہیں ہوئی ——— اور نہ ہی علماء اور سیاست والوں کے درمیان کوئی رنجش دیکھنے میں آئی۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہجرت کے مسئلہ پر اختلاف رائے کا انحصار زیادہ تر نظری اور سیاسی مسائل پر تھا ——— اصولوں پر نہیں تھا اور جہاں تک نظری مباحث کا تعلق تھا اس باب میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ صرف تحریک شروع کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ پر اختلاف رائے سامنے آیا۔ تحریک خلافت بھی بڑی حد تک تحریک ہجرت کے اثرات سے محفوظ رہی۔ اس میں حصہ لینے والے رہنماؤں کی اکثریت نے ہجرت کو ایک ضمنی مسئلہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی اور مرکزی مجلس خلافت نے جمعیۃ کی طرح ہجرت کی ضرورت اور عدم ضرورت کی بحث میں بے نیازی کے ساتھ حصہ لیا [۱۳۷]۔ یہاں تک کہ جب اگست کے اوائل میں اس نے بالآخر ہجرت کے مسئلہ کو اہمیت دینی چاہی تو اس کی شدید مخالفت ہوئی [۱۳۸]۔

یہ بھی امر واقعہ ہے کہ تحریک خلافت، تحریک ہجرت کی ناکامی سے متاثر ہونے کی بجائے اپنی شدت میں اضافہ کا باعث بنی۔ عین اگست ۱۹۲۰ء سے، جو تحریک ہجرت کے آخری ایام کا عرصہ ہے، ترک موالات کی تحریک میں شدت پیدا ہوئی۔ اگرچہ تحریک خلافت بھی اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہی لیکن اس کی ناکامی میں تحریک ہجرت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ حکومت کو اس تحریک کی ناکامی سے فائدہ ضرور پہنچا۔ افغانستان کی طرف سے حملہ کا اس

کا خدشہ مٹ گیا ــــــ اور صوبہ سرحد میں تحریکِ ترکِ موالات کو اس کے نتیجہ میں ناکامی سے دوچار ہونا پڑا [۱۳۹]۔

---

[۱۳۷] وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۱۹ جون ۱۹۲۰ء، چیمسفورڈ پیپرز، بحوالہ نعیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۵۸

[۱۳۸] وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء، چیمسفورڈ پیپرز بحوالہ ایضاً

[۱۳۹] وائسرائے بنام سکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند، تار، مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۲۰ء، بحوالہ رمبولڈ، تصنیف مذکور، ص ۲۱۰۔

دُور رس نتائج

ہندوستان کی قومی اور سیاسی تاریخ اس تحریک کی ناکامی سے اس قدر متاثر نہیں ہوئی جتنی کہ اس کے توسط سے اس رابطہ سے متاثر ہوئی جو اس میں حصہ لینے والے بعض مہاجرین اور اشتراکی روس کے مابین استوار ہُوا۔ اس وقت تک اشتراکی انقلاب (۱۹۱۷ء) کے بعد روس اپنے توسیع پسندانہ مفادات کے تحت جنوب وسطی ایشیا کے مسلم خطوں اور افغانستان اور شمالی مغربی ہند کی سرحدوں پر اپنی نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس نے مسلمانوں کے علاقوں میں ایسی کوششیں شروع کر دی تھیں جو اس کے خلاف بھڑکے ہوئے جذبات کو نرم کرنے اور اشتراکیت کی توسیع کا سبب بن رہی تھیں۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کے آخر میں اشتراکی روس کے سرکاری ترجمان اخبار "پراودا" نے فخریہ انداز میں پتروگارڈ اور ماسکو کو مسلمانوں کے لیے مکہ اور مدینہ کی حیثیت اختیار کر جانے کی اطلاع دی[۱۴۰] روس کے توسیع پسندانہ مقاصد کے لیے مسلمان بہت مفید اور معاون ثابت ہو سکتے تھے۔ روسی انقلابیوں کو مسلمانوں کی اس اہمیت کا احساس تھا۔ جوزف اسٹالین نے ماسکو میں مسلمان اشتراکیوں کی ایک کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے اقرار کیا تھا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان ایک پل کی تعمیر میں مسلمانوں سے زیادہ کوئی کارآمد نہیں ہو سکتا۔ ان کی وجہ سے ایران، ہندوستان، افغانستان اور چین کا دروازہ کھل جاتا ہے[۱۴۱] چنانچہ یہ تجویز کیا گیا کہ ان مقاصد کی تکمیل کے

---

[۱۴۰] بحوالہ ڈینس، الفریڈ (Dennis, Alfred.) "The Foreign Policies of Soviet Russia." (نیویارک، ۱۹۲۴ء) ص ۲۶۱، ۳۵۷

[۱۴۱] جوزف اسٹالین کی تقریر، مشمولہ "Soviet Russia and the East, 1920-27." مرتبہ اوڈن، ایکس جے (Eudin, X.J.) اور نارتھ، آرسی (North, R.C.) (اسٹانفورڈ، ۱۹۵۷ء) ص ۷۷-۷۸

لیے مسلمانوں کے خصوصی دستے ترتیب دیئے جائیں [۱۴۲] اسی طرح نومبر ۱۹۱۹ء میں مسلمان اشتراکیوں کی دوسری کانگریس میں یہ طے پایا کہ ہندوستان، مصر، ترکی اور دوسرے استبدادی ممالک میں انقلابی جذبات بیدار کیے جانے چاہئیں [۱۴۳] ان فیصلوں کے تحت باکو میں ایشیا میں اشتراکیت کی توسیع کے لیے منعقد ہونے والی مشہور کانگریس میں طے کیا گیا کہ اولاً ترکی، ایران، ہندوستان اور چین میں انقلابی سرگرمیوں کے لیے ایک سرخ فوج ترتیب دی جائے اور پھر ہندوستان کے لیے تاشقند میں ایک ادارہ تشکیل دیا جائے جہاں سے انقلابی سرگرمیوں کی نگرانی ہو سکے [۱۴۴] یہاں ہندوستانی انقلابیوں کے لیے ایک تربیت گاہ بھی قائم کی گئی جس سے افغانستان میں قائم ہونے والی "ہندوستانی جمہوری حکومت" کے سرکردہ رہنماؤں مولوی برکت اللہ اور مہندر پرتاپ کا بھی تعلق رہا [۱۴۵]۔

۱۹۱۸ء اور ۲۲ ۱۹ء کے درمیان جو ہندوستانی روس گئے وہ لینن اور دوسرے اشتراکی رہنماؤں سے مل کر متاثر ہوتے رہے [۱۴۶]۔ "ہندوستانی جمہوری حکومت" جو پہلے برلن اور پھر کابل میں قائم ہوئی، اس کے سرکردہ اراکین میں سے چھ مولوی برکت اللہ اور اچاریہ اور عبدالرب ۱۹۱۹ء کی بہار میں ماسکو گئے تھے جہاں لینن سے ان کی ملاقات ہوئی۔ وہاں وہ نو مہینے تک مقیم رہے۔ برکت اللہ نے وہاں ایک کتابچہ اشتراکیت اور مسلم اقوام کے موضوع پر فارسی زبان میں تحریر کیا، جس کا ترجمہ کئی مشرقی زبانوں میں بڑے پیمانہ پر شائع کیا گیا۔ اس کتابچہ نے اشتراکی روس، ہندوستان اور مشرق وسطیٰ میں اشتراکی نقطۂ نظر کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا [۱۴۷] ماسکو سے واپس آکر ان افراد نے کابل

---

[۱۴۲] بحوالہ ایضاً ص ۱۶۱ [۱۴۳] ایضاً، ص ۱۹۴ - ۱۹۵

[۱۴۴] اسپین، جے ڈبلیو (Spain, J.W.) "The Pathan Border Land. (ہیگ، ۱۹۶۳ء) ص ۲۴۹

[۱۴۵] بیلی، فریڈرک (Bailey, Fredrick) "Mission in Tashkent." (لندن، ۱۹۴۶ء) ص ۲۲۶ - ۲۳۰

[۱۴۶] انتونوا، کے، اور دیگر (Antonva, K.) "A History of India." کتاب دوم (ماسکو، ۱۹۷۸ء) ص ۱۷۶ [۱۴۷] ایضاً

میں ان لوگوں کے ساتھ روابط استوار کیے جو افغانستان سے نکل کر ترکی جانا چاہتے تھے۔ اس دوران اشتراکی روس کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کی تحریک ہجرت ایک لحاظ سے بڑی معاون ثابت ہوئی۔

ہندوستانی مہاجرین کی آمد کے وقت تک افغانستان بعض ہندوستانی انقلابیوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، جن کے روابط روسی اشتراکیوں سے مستحکم ہو رہے تھے۔ ان میں ایک حلقہ مولانا عبیداللہ سندھی کا تھا، جو ایک طرف امان اللہ خاں اور عمائدین حکومت کی نظروں میں معتبر تھا اور دوسری طرف سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین سے تعلق قائم کیے ہوئے تھا۔ مولانا سندھی کے لیے ایک سرکردہ رکن تھے، جنھوں نے ہندوستانی انقلاب پسندوں پر مشتمل ایک "ہندوستانی عبوری حکومت" قائم کرنے اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے سبب اہمیت حاصل کر لی تھی [۱۴۸]۔ وہ طلبہ جو ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے جہاد کی غرض سے ترکی جانے کے لیے نکلے تھے، ان میں سے بعض کو ایرانی سرحد سے گزرتے ہوئے گرفتار کر لیے گئے تھے اور بعض وہیں کابل میں رہ گئے تھے [۱۴۹]۔ اس وقت کے امیر افغانستان حبیب اللہ خاں نے انھیں مولانا سندھی کے ساتھ ایک گھر میں خانہ نشین کر رکھا تھا۔ وہیں یہ امان اللہ خاں کے ساتھ اس کی شہزادگی کے زمانہ میں خفیہ ملاقاتیں کرتے تھے [۱۵۰]۔ ان طلبہ میں سے خوشی محمد اور رحمت علی زکریا روس چلے گئے۔ خوشی محمد روس سے افغانستان واپس آ کر روسی مفادات کے لیے کام کرنے لگا۔ اسے کابل میں مولانا سندھی کی سرپرستی اور حمایت حاصل رہی [۱۵۱]۔ ۱۹۲۰ء میں جب تاشقند میں ایک ہندوستانی انقلاب پسند اور اشتراکی ایم این رائے کی ماتحتی میں Communist Party of India کا قیام عمل میں آیا تو خوشی محمد اس کا رکن بن گیا۔ رحمت علی زکریا (CPI) کی تشکیل کے وقت تاشقند میں موجود نہیں تھا لیکن اس نے بہت پہلے ہی خود کو "کمیونسٹ" قرار دے دیا تھا [۱۵۲]۔ کابل میں خوشی محمد کے پاس

---

[۱۴۸] تفصیلات کے لیے، عبیداللہ سندھی "کابل میں سات سال" (لاہور، اشاعت دوم) جا بجا۔

[۱۴۹] تفصیلات کے لیے، مظفر احمد، تصنیف مذکور، ص ۱۵۴، و نیز سید محمد میاں، تصنیف مذکور، جا بجا

[۱۵۰] پولادا، تصنیف مذکور، ص ۲۴۰ [۱۵۱] عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۳۷

[۱۵۲] مظفر احمد، تصنیف مذکور، ص ۱۵۹

سرمایہ کی ریل پیل رہتی تھی [۱۵۳] اس کے کابل آنے کے بعد مولانا سندھی کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ اکثر ہندوستانی مہاجر ان کے حلقہ میں شامل ہو گئے تھے۔ خوشی محمد ہر ایک کو مالی امداد دیتا اور ان سے مختلف قسم کے کام لیتا تھا۔ وہ ایسی تقریبات منعقد کرتا جن میں ہندوستانیوں کو روسیوں سے متعارف کرایا جاتا [۱۵۴] اس کے ذریعہ اشتراکی لٹریچر ہندوستان پہنچنا شروع ہوا [۱۵۵] مولانا سندھی کو اعتراف تھا کہ انہیں افغانستان اور روس میں جس قدر پذیرائی اور کامیابیاں حاصل ہوئیں ــــ وہ خوشی محمد کے طفیل تھیں [۱۵۶] خوشی محمد کی سرگرمیوں کو حکومت افغانستان تشویش کی نظروں سے دیکھتی تھی۔ بالآخر اسے ملک بدر کر دیا گیا اور اسی کے نتیجہ میں مولانا سندھی بھی افغانستان چھوڑنے پر مجبور ہوئے [۱۵۷]۔

روسیوں نے اپنے مفادات کے لیے ہندوستانی مہاجرین سے تعلقات استوار کرنے میں خاص دلچسپی لی اور مالی امداد دینا بھی قبول کر لیا [۱۵۸] خوشی محمد کے توسط سے مولانا سندھی نے روسی سفارت کاروں سے اچھے تعلقات قائم کر لیے تھے [۱۵۹] امان اللہ خان کے افغانستان کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد افغانستان اور روس کے روابط قدرے کشیدہ ہو گئے چنانچہ اس کے نتیجہ میں اکتوبر ۱۹۲۲ء میں امان اللہ خاں نے روس نوازی کے الزام کے تحت "ہندوستانی عبوری حکومت" پر پابندی عائد کر دی [۱۶۰] مولانا سندھی کے لیے اب افغانستان میں مزید قیام کرنا سودمند نہیں تھا، چنانچہ وہ افغانستان سے نکل گئے اور جب ترکی اور حجاز جانے سے پہلے وہ روس گئے تو وہاں ان کی خاصی آؤ بھگت ہوئی [۱۶۱] وہاں وہ

[۱۵۳] عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۳۷

[۱۵۴] ایضاً ص ۸۷۱ و نیز محمد سرور، مقدمہ "کابل میں سات سال" ص ۱۲۳-۱۲۴۔

[۱۵۵] عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۳۸، ۸۵۵ [۱۵۶] عبید اللہ سندھی "کابل میں سات سال" ص ۴۳

[۱۵۷] عزیز ہندی، تصنیف مذکور، ص ۸۵۱

[۱۵۸] ایضاً، ص ۸۴۲، تفصیلات کے لیے، ص ۸۷۷-۸۸۱، یہ امداد بعض صورتوں میں عزیز ہندی کے توسط سے بھی ہندوستان کے رہنماؤں تک پہنچی ــــ ایضاً، ص ۸۹۴-۸۹۵ و بعد

[۱۵۹] ظفر حسن ایبک نے تفصیل دی ہے، و نیز محمد سرور، تعلیقات "کابل میں سات سال" ص ۱۴۳۔

[۱۶۰] سمرا، چترسنگھ ــــ " India and Anglo-Soviet Relations. " (بمبئی، ۱۹۵۹ء) ص ۹۷ ــــ ایم این رائے نے اس اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ دراصل حکومت ہند کو رشوت دینے کی ایک صورت تھی ــــ بحوالہ ایضاً [۱۶۱] عبید اللہ سندھی "کابل میں سات سال" ص ۱۵۸۔

سات مہینے تک مقیم رہ کر اشتراکیت کا مطالعہ کرتے رہے وہ اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے "انڈین نیشنل کانگریس" کے ہندوستانی رفقائے کار ــــ جن میں اشتراکی اور قوم پرست بھی شامل تھے ــــ اور حکومت روس کے ممنون رہے [۱۶۲] وہ ماسکو سے جب استنبول کے لیے روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنی اور ظفر حسن ایبک کی دستخطوں سے اردو اور انگریزی میں ایک سیاسی منشور شائع کیا، جس پر اشتراکی خیالات کی گہری چھاپ تھی [۱۶۳]۔

اس ساری صورت حال کے پس منظر میں ایم این رائے کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ تحریک ہجرت کے زمانہ میں وہ اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ ہندوستان میں کسی طرح اشتراکی تحریک منظم ہو جائے۔ اس نے اس ضمن میں اپنی کوششوں میں نہ صرف "انڈین نیشنل کانگریس" کے انقلاب پسندوں سے بلکہ تحریک خلافت کے ارکان سے بھی مدد لی [۱۶۴] ۱۹۲۰ء میں تاشقند میں "کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا" کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ یہ جماعت ہندوستانی مہاجرین میں شامل افراد پر مشتمل تھی [۱۶۵] یہ مہاجرین، جو افغان حکومت کے رویہ سے مایوس ہو کر ترکی کے لیے روانہ ہو ئے تھے، تعداد میں تقریباً اسی تھے۔ ان میں سے آدھے افراد روسی حکومت کے اس وعدہ پر کہ وہ انہیں فوجی تربیت دے گی اور انہیں مسلح کرے گی، نومبر ۱۹۲۰ء میں فوجی تربیت کے لیے تاشقند میں رک گئے، جہاں ایم این رائے سے ان کی ملاقات ہوئی، جو اسی وقت ماسکو سے وہاں پہنچا تھا [۱۶۶] اسے وہاں ایشیا میں اشتراکی تحریک شروع کرنے کی ذمہ داریاں اور اس شعبہ کے سربراہ کی حیثیت دے کر بھیجا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ذمہ داریوں میں افغانستان اور ہندوستان کی درمیانی سرحدوں پر اسلحہ پہنچانا بھی تھا [۱۶۷]

جن مسلمان مہاجرین نے "ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی" میں فوری شمولیت اختیار کر لی، ان میں محمد شفیع، بطور جنرل سکرٹری، مسعود علی شاہ، عبدالرب، شوکت عثمانی اور عبداللہ صفدر

---

۱۶۲ ایضاً، ص ۱۵۷ ۱۶۳ محمد سرور "کابل میں سات سال" تعلیقات، ص ۱۲۸

۱۶۴ ہیتھ کاکس پیچھی (Haithcox, J.P.) "Communism and Nationalism in India." پرنسٹن، ۱۹۷۱ء) ص ۲۰ ۱۶۵ ایضاً۔

۱۶۶ ایضاً، ص ۲۱؛ ادھیکاری، جی۔ "Documents of the History of the Communist Party of India." جلد اول (دہلی، ۱۹۷۲ء) ص ۲۲

۱۶۷ اس مقصد کے تحت جب وہ تاشقند پہنچا تو اس کے ساتھ ۲۷ گاڑیاں اسلحہ اور دو گاڑیاں اشرفیوں، پونڈ اور روپیوں سے بھری ہوئی تھیں ــــ ہیتھ کاکس، تصنیف مذکور، ص ۲۱۔

شامل تھے[۱۶۸] محمد شفیع نے سکرٹری منتخب ہونے سے قبل مئی ۱۹۲۰ء میں "زمیندار" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ اس کا مقصد اشتراکی نظریات کی تبلیغ تھا۔ لیکن یہ صرف ایک مرتبہ شائع ہو سکا[۱۶۹]

وہ مہاجرین جو فوجی تربیت کے لیے تاشقند میں رک گئے تھے ان میں سے مجموعی طور پر بائیس افراد کو ماسکو میں مزید فوجی تربیت کے لیے منتخب کیا گیا[۱۷۰] رائے کی کوششوں کے نتیجہ میں ۱۹۲۲ء تک ہندوستان میں کئی اشتراکی حلقے تشکیل پا چکے تھے۔ ان حلقوں کے سربراہ کلکتہ میں مظفر احمد، لاہور میں غلام حسین، یو پی میں شوکت عثمانی تھے[۱۷۱] ان افراد نے مختلف انقلابی اور پرتشدد احتجاجی تحریکوں میں حصہ لیا اور اشتراکی اداروں کی تشکیل میں سرگرمی دکھائی[۱۷۲] اس اعتبار سے تحریک ہجرت نے بالآخر برعظیم پاک و ہند کو

۱۶۸؎ ایضاً، ص ۲۲۔ ۱۶۹؎ انتونوا، تصنیف مذکور، ص ۱۷۷

۱۷۰؎ رائے، ایم این. Memoirs : Radical Humanist (کلکتہ، ۱۹۵۴ء-۱۹۵۵ء) ص ۴۱۱ - ۴۷۶، ۵۲۵-۵۳۲، وہ مہاجرین جو فوجی تربیت کے لیے تاشقند میں رک گئے تھے، مظفر احمد نے ان میں سے سترہ افراد کی فہرست درج کی ہے، گوہر رحمٰن خاں، میاں محمد اکبر شاہ، سلطان محمود، میر عبدالمجید، فیروز الدین منصور، فضل الٰہی قربان، عبداللہ صفدر، شوکت عثمانی، رفیق احمد، حبیب احمد نسیم، فدا علی زاہد، عبدالقادر سحرائی، مسعود علی شاہ، عبدالقیوم، ماسٹر عبدالحمید، سعید احمد، عزیز احمد۔ اختار دین عبدالقادر تھے۔ اس کے دیگر نمایاں افراد میں رحمت علی زکریا اور خوشی محمد تھے ـــــ ہیتھ کاکس، تصنیف مذکور، ص ۲۷۔

۱۷۱؎ حکومت ہند، محکمہ داخلہ۔ Communism in India. (کلکتہ، ۱۹۲۷ء) ص ۱۲۔

۱۷۲؎ تفصیلات کے لیے، ہیتھ کاکس، تصنیف مذکور، ص ۳۴-۳۵، مظفر احمد، تصنیف مذکور، ۳۴-۵۱ ، ۸۷، ۹۰-۹۳، اسپریٹ، فلپ (Spratt, Philip) Blowing up India (کلکتہ، ۱۹۵۵ء) ص ۳۴، جوش، بھگوان Communist Movement in Punjab. (لاہور، تاریخ ندارد) ص ۵۲، اسمتھ، ڈبلیو سی (Smith, W.C.) "Modern Islam in India." (لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۲۴۳، انتونوا، تصنیف مذکور ص ۱۸۰،۱۷۸

ـــــ سوویت روس نے ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی کے قیام اور اس کے تحت اشتراکی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے جو بے تحاشہ سرمایہ خرچ کیا، اس کی تفصیلات کے لیے ہیتھ کاکس، تصنیف مذکور، ص ۳۲، حکومت ہند محکمہ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

اشتراکیت سے متعارف کرانے کا سبب اور اس کی توسیع کے لیے خود ایک وسیلہ بن گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ مہاجرین ہی کے توسط سے سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے سرحدی مرکز چرقند کو اشتراکی روس اور ہندوستان کے درمیان ایک واسطے کی حیثیت حاصل ہوئی، جہاں سے دیر اور ہزارہ کی سرحدوں تک اشتراکیت کا بیج بویا جانے لگا[۱۷۳] ان مہاجرین میں سے فضل الٰہی قربان اور فیروز الدین منصور کو قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں "کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان" کی تشکیل کا "اعزاز" بھی حاصل ہوا[۱۷۴]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

داخلہ، تصنیف مذکور، ص ۱۷۔۱۸؛ سمرا، چترسنگھ، تصنیف مذکور، ص ۷۷، اسپین، تصنیف مذکور، ص ۲۵۰۔
۲۵۱، اس سے قبل روسی حکومت ۶۲ ہندوستانی طلبہ کو ہندوستان بھیجنے اور ان کی مزدوری امداد پر بھی رقم
خرچ کر چکی تھی ـــ سمرا، تصنیف مذکور ص ۷۷، یہی وجہ تھی کہ حکومت ہند
ہندوستان میں ابھرنے والی انتہا پسند قوم پرستی کی تحریک کو اشتراکیت کے زیر اثر
سمجھتی تھی ـــ تفصیلات کے لیے: پولادا، تصنیف مذکور، ص ۲۳۶

۱۷۳ھ اسپین، تصنیف مذکور، ص ۲۵۵، لعل بہا، "The Activities of Mujahidin" مشمولہ "Islamic Studies" (اسلام آباد) جلد ۸ شمارہ ۲ ص ۹۹، ۱۹ دسمبر ۱۹۲۳ء کو چیف کمشنر صوبہ سرحد نے سکرٹری خارجہ کو اپنے مکتوب میں ایسی ٹھوس شہادتوں کی طرف متوجہ کیا کہ مہندر پرتاپ کو بالشویک نمائندہ کی حیثیت سے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ مجاہدین اور قبائل میں روپیہ تقسیم کرے ـــ بحوالہ، ایضاً ص ۱۱۳، مجاہدین کے روسیوں سے رابطے کے لیے: ایضاً، ص ۱۱۵۔۱۱۷۔

۱۷۴ھ اسپریٹ، تصنیف مذکور، ص ۳۴، ہیتھ کاکس، تصنیف مذکور، ص ۳۵۔

ضمیمۂ اوّل:

ہجرت کا رسالہ

تحقیق
ڈاکٹر معین الدین عقیل

ہجرت کا رسالہ

تحریکِ ہجرت — انیسویں صدی میں

ایک تاریخی مخطوطے کی روشنی میں

برعظیم پاک و ہند میں اسلام اور مسلمانوں کا المیہ یہ رہا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مستحکم اور عظیم الشان سلطنتوں کے قیام کے باوجود اس کے تہذیبی تناظر میں اسلام کے اثرات بحیثیت مجموعی کمزور رہے، اور یہاں کا معاشرہ خالص اسلامی معاشرے کی صورت اختیار نہ کر سکا۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں وہ سیاسی اقتدار بھی مسلمانوں سے چھن گیا جو برعظیم میں ہند اسلامی معاشرے اور تہذیب کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ ابتداءً مسلمانوں کی سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوئی اور پھر غیر مسلموں، مرہٹوں، سکھوں اور انگریزوں نے ان ریاستوں میں سے بیشتر کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے بعد انگریز اس ملک کے تنہا مالک و مختار بن گئے۔ انھوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کے استحکام اور فروغ کے تمام راستے بند کر دیے۔ فارسی اور اردو کے بجائے انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا اور مسلمانوں کو تعلیم سے دُور کر دیا۔ اس کے علاوہ اسلامی قوانین کو منسوخ کیا، شرعی عدالتیں توڑ دیں اور اسلامی قوانین کے نفاذ کو خود مسلمانوں کے حق میں صرف نکاح و طلاق وغیرہ تک محدود کر دیا، اور اس محدود نفاذ کے اختیارات بھی قاضیوں کے بجائے عام دیوانی عدالتوں کے سپرد کر دیے، جن کے حکام عموماً غیر مسلم ہوتے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ ابتداء سے انگریزوں کی حکمت

عملی یہ رہی کہ مسلمانوں کو معاشی حیثیت سے پامال کر کے ان کو مجبور و بے بس کر دیا جائے۔ ان حالات کے نتیجے میں مسلمانوں کی زندگی میں مایوسی اور ذلت کے سوا کچھ نہ رہا[1]۔ غلامی اپنے تمام عیوب کے ساتھ ان پر مسلط ہوتی رہی۔ اب ایک غیر اسلامی ماحول اور غیر اسلامی عقائد و نظریات ان کو گھیرے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں اگر مسلمانوں نے کچھ سنبھلنے کی کوشش بھی کی تو وہ اب مجبور تھے کہ معاشی ترقی کے لیے مغربی تعلیمی نصاب کے تحت اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کریں اور اس سے ذہنی مرعوبیت کی فضا میں مغربی تصورات اور تہذیب کے اصول سیکھیں۔ اس سے قطع نظر کہ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے کیا ضروری تھا اور کیا ضروری نہیں تھا، ان میں اپنی حالت کو بہتر بنانے اور اپنے زوال کی رفتار کو روکنے کے لیے محض دو تین راستے باقی رہ گئے تھے۔

پہلا راستہ سمجھوتے اور مصالحت کا راستہ تھا، جس پر چلنے کے لیے مسلمان فوری طور پر تو راضی نہ ہو سکتے تھے۔ یہ راستہ بعد کے حالات میں مسلمانوں کے ایک طبقۂ فکر نے بہرحال اختیار کیا، تاکہ مسلمان وقتی ضرورت کے تحت کچھ دیر مصالحت کا رویّہ اختیار کر کے مہلت لے سکیں، اور پھر نئی توانائیاں حاصل کر کے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کر سکیں۔ اس طرزِ فکر کی ترجمانی اور نمائندگی سید احمد خاں اور ان کی ہمہ گیر علی گڑھ تحریک" نے کی ہے۔

دوسرا راستہ اپنے زوال کی رفتار کو روکنے کے لیے اصلاحی تحریکوں کا تھا، جن کا آغاز اسی وقت سے ہو گیا تھا، جب مسلمانوں میں زوال کے آثار رونما ہونے لگے تھے۔ مثلاً مجدد الف ثانی کی تحریک، جس کا ایک بڑا مقصد ہندوستانی معاشرے میں مسلم ملت کے تشخص کو برقرار رکھنا تھا۔ پھر اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں شاہ ولی اللہ اور ان

---

[1] ان حالات کا عمدہ جائزہ متعدد تصانیف میں ملتا ہے، خصوصاً: اشتیاق حسین قریشی، "The Muslim Community of the Indo-Pakistan Sub-Continent" (ہیگ، ۱۹۶۲ء) ص ۲۱۲، ۲۲۳؛ پی ہارڈی "The Muslims of British India" (کیمبرج، ۱۹۷۲ء) ص ۴۴۔۵۰؛ وغیرہ۔

سے فیض یافتہ مجاہدین وعلماء کی تحریکیں اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ اس کا ایک اعلانیہ اور واضح اظہار مدافعت اور آزادی کے جذبہ کے تحت انگریزوں کے خلاف جہاد کی مستقل تحریکوں اور کوششوں کی صورت میں ہوا۔ انھیں سید احمد شہید کی تحریک جہاد (۱۸۳۱ء) اور پھر بعد میں ان کے رفقاء اور ان سے فیض یافتہ مجاہدین کی مسلسل کوششوں کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے جن کا سلسلہ بیسویں صدی کے ربع اوّل تک جاری رہا ــــــ اور اس تحریک کے تسلسل سے تعلق رکھنے والے مجاہدین برعظیم کے مختلف علاقوں میں برطانوی حکومت کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں ــــــ تحریک ریشمی رومال (۱۹۱۷ء) تحریک خلافت اور تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء) میں شریک رہے۔

ان دو راستوں سے قطع نظر ایک تیسری راہ بھی مسلمانوں کے پیش نظر کھلی رہی ــــــ اور یہ ہندوستان سے ہجرت کی راہ تھی۔ جہاد اور ہجرت کی راہیں مسلمانوں نے اپنے اس نقطۂ نظر کے تحت اختیار کیں کہ ان کے خیال میں ہندوستان اب "دارالحرب" ہو گیا تھا۔[1] اٹھارھویں صدی عیسوی تک مسلمان علماء کی تحریکوں کا مقصد کسی حکمران کو پابند شریعت کرنا یا مسلم معاشرہ کی اصلاح تک مخصوص تھا۔ لیکن انگریزوں کے زیر اقتدار ان کی تحریکوں کا مقصد کچھ اور بھی ہو گیا تھا۔ اب علماء کے پیش نظر وہ مسائل بھی تھے جن سے غیر ملکی اقتدار کی وجہ سے انھیں اور ان کی ملت کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس عہد میں اسلام کے شرعی قوانین کی اہمیت باقی نہیں رہی تھی[2]۔ اور وہ غیر اسلامی قوانین اور انھیں رائج کرنے والے، کافروں کے ماتحت زندگی گزارنے پر مجبور کر دیے گئے تھے[3]۔ ان کے خیال میں اب اسلام محفوظ نہیں تھا، اور اس لیے اب یہ ملک "دارالحرب" ہو گیا

---

[1] ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر (W.W.Hunter)۔ "Our Indian Musalmans". (لندن، ۱۸۷۱ء) ص ۱۴۲-۱۴۳۔ [2] ایضاً، ص ۱۴۰؛ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۷۴ء سے ۱۸۳۲ء تک انھیں اپنی جانب سے متعدد تبدیلیوں کا نشانہ بنایا، پھر ۱۸۳۲ء کے ضابطۂ ششم کے تحت انھیں یکسر ختم کر دیا ــــــ عزیز احمد۔ "Islamic Modernism in India and Pakistan". (لندن، ۱۹۷۰ء) ص ۱۵-۱۸ [3] ہارڈی، تصنیف مذکورہ، ص ۵۱۔

تھا۔ اس بارے میں شاہ عبدالعزیز کے علاوہ، جنھوں نے انیسویں صدی کے اوائل میں یہ فتویٰ دیا تھا[۵] دیگر علماء کے فتووں میں برعظیم کا دارالحرب، ہونا نمایاں ہوتا گیا[۶] چنانچہ سید احمد شہید کی تحریک جہاد (۱۸۳۱ء) اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء کی شمولیت 'دارالحرب، کے نظریے کی بنیاد پر ہوئی[۷]

جہاد میں ناکامی کے باعث مایوسی کی حالت میں مسلمانوں کے ایک طبقے نے ہجرت کا فیصلہ کیا اور ہندوستان سے ہجرت کی روایت کی بنیاد ڈالی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک اور فتوے میں، ایک ایسی جگہ سے، جہاں مسلمان اپنے مذہبی فرائض ادا نہ کر سکیں، ہجرت کو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا تھا[۸] ان کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چار و ناچار "دارالحرب" میں اقامت گزیں تھے،

---

۵ "فتاویٰ عزیزی" (دہلی، ۱۳۱۱ھ) حصہ اول، ص ۱۷؛ اس فتوے پر تاریخ درج نہیں، لیکن یہ ۱۸۰۹ء سے قبل دیا گیا۔ شاہ عبدالعزیز نے مولوی عبدالرحمٰن خاں (متوفی ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء) کو ایک خط لکھا تھا، جس میں 'دارالحرب' کا ذکر واضح ہے ــــ مکتوب، مشمولہ: احمد علی خاں شوق "تذکرۂ کاملانِ رامپور" (دہلی، ۱۹۲۹ء) ص ۲۰۳-۲۰۸ ۶ جیمز او کینیلے (James O'Kinealy) "Culcutta Review". جلد ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۱۸۷۰ء؛ ہنٹر تصنیف مذکور، ص ۱۴۰؛ محمد مہر علی "The Bengal Muslims, Repudiation of the Concept of British India a Darul Harb". مشمولہ "Dacca University Studies" - جلد ۱۹، ۱۹۷۱ء، ص ۴۷-۵۸؛ یہی مصنف، "Hunter's Indian Musalmans, a Re-Examination of its Background". مشمولہ: "Journal of the Royal Asiatic Society". شمارہ ۱، ۱۹۸۰ء، ص ۳۳-۴۱؛ ایل ایس مے (L.S. MAY) "The Evolution of Indo-Muslim Thought". (لاہور، ۱۹۷۰ء) ص ۲۴-۲۶ ۷ دارالحرب کے حوالہ سے جنگ آزادی میں علماء کے حصہ لینے کا ذکر، اشتیاق حسین قریشی، "Ulema in Politics". (کراچی، ۱۹۷۲ء) ص ۱۹۸-۲۰۰ و بعدہ؛ عزیز احمد، تصنیف مذکور، ص ۲۷-۲۸؛ ایس معین الحق "The Great Revolution of 1857". (کراچی، ۱۹۶۸ء) ص ۹۴ میں ہے: "لیکن علماء ان تحریکات میں شامل نہیں ہوئے، ان کے رویہ میں انگریزوں سے وفاداری کا کوئی دخل نہیں تھا ــــ عبیداللہ سندھی "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" (لاہور، ۱۹۷۰ء) ص ۱۳۶ ۸ "فتاویٰ عزیزی" ص ۵۲

بصورت دیگر وہ ہجرت کے خواہاں رہے[9] غالباً شاہ عبدالعزیز کے پیش نظر شاہ ولی اللہ کا یہ نقطۂ نظر رہا کہ وہ مسلمان، جو دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت نہ کر سکیں اور کفار کے ساتھ اشتراک مقصد استوار رکھیں، گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں[10] اس ضمن میں سید احمد شہید اور ان کی تحریک جہاد سے تعلق رکھنے والے مجاہدین نے جہاں جہاد کو اپنی زندگی کا اوّلین مقصد قرار دے دیا تھا، وہیں تحریکات جہاد میں ناکامی کے بعد ہجرت کو بھی ایک متوازی نظریہ کے طور پر اختیار کر لیا تھا[11] چنانچہ ان مجاہدین کے قریب قریب تمام رسالے اور منشور ہجرت کی ضرورت اور فضیلت پر زور دیتے ہیں[12] تاکہ انگریزوں کے خلاف ملک کے باہر سے بھی جدوجہد کی جائے۔ مثلاً مولوی کرامت علی نے، جو سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں شامل رہے، ۱۸۳۸ء میں ہندوستان چھوڑ کر ہجرت کر جانے کی خواہش کا اظہار کیا[13]

بالآخر ہجرت کی روایت کا آغاز شاہ محمد اسحٰق نے کیا، جنہوں نے ۱۸۴۱ء میں

---

[9] مکتوب بنام مولوی عبدالرحمٰن خاں، مشمولہ احمد علی خاں شوق، تصنیف مذکور، ص ۲۰۴۔ [10] شاہ ولی اللہؒ "القول الجمیل"، (دہلی، سن ندارد) ص ۲۶ [11] جہاد کے مقصد سے سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے ہندوستان سے ہجرت کرنے کے واقعات کے پس منظر و پیش منظر کو متعدد تصانیف میں بالتفصیل دیکھا جا سکتا ہے خصوصاً سید ابوالحسن علی ندوی "سیرت سید احمد شہید"، حصہ دوم (لاہور، ۱۹۷۴ء) ص ۳۶۵ - ۳۷۰ و بعدہٗ و نیز غلام رسول مہر "سید احمد شہید" حصہ اوّل (لاہور سن ندارد) ص ۲۸۲ - ۲۸۶ و بعدہٗ [12] جیمز او کینیلے، "Culcutta Review"، جلد ۵۱، ۱۸۷۰ء ص ۳۸۵ و بعدہٗ [13] بحوالہ ایضاً ص ۲۹۰، یا پھر بعد میں مولوی قطب الدین نے جو شاہ محمد اسحٰق کی تشکیل کردہ جمعیت میں شامل ایک ممتاز رکن تھے، ۱۸۶۷ء میں اپنی تصنیف "جامع التفاسیر" میں "دارالحرب" میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے تین متبادل راستے، شہادت، ہجرت یا عذاب آخرت بتائے ہیں۔ ایضاً ص ۲۹۰ - ۲۹۲

اپنے برادر بزرگ مولوی محمد یعقوب کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شاہ محمد اسحٰق، شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور خلیفہ تھے۔ شاہ عبدالعزیز، اولاد نرینہ نہ ہونے کے سبب اپنے اس لائق نواسے پر خاص توجہ دیتے تھے۔ انھوں نے کتابوں، مسودوں اور متاع علمی کی صورت میں، جو کچھ بھی ان کے پاس تھا، اپنے اسی نواسے کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اپنی زندگی ہی میں اپنی مسند پر فائز کر کے تدریس پر مامور کر دیا تھا۔ چنانچہ پورے بیس سال شاہ محمد اسحٰق نے شاہ عبدالعزیز کے سامنے اور ان کی نگرانی میں یہ اہم خدمت انجام دی۔ شاہ عبدالعزیز کے انتقال کے بعد شاہ محمد اسحٰق نہ صرف ان کے جانشین بنے بلکہ اس اعتبار سے انھوں نے مسلمانانِ برعظیم کی مذہبی قیادت بھی کی[۱۴]

شاہ محمد اسحٰق کے حجاز ہجرت کر جانے کے بعد[۱۴] ان کے تلمیذ خاص شاہ عبدالغنی مجددی ان کے جانشین بنے، لیکن انھوں نے بھی ۱۸۵۷ء میں دہلی پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد اپنے استاد کے مسلک کا اتباع کیا اور حجاز ہجرت کر گئے[۱۶] انھی کے ساتھ ان کے بھائی شاہ احمد سعید نے بھی ہجرت کی[۱۷] حاجی امداد اللہ کا نام بھی ۱۸۵۷ء کے بعد حجاز ہجرت کر جانے والوں میں معروف ہے[۱۸]۔ ان کا سلسلۂ مسلک بھی سید احمد شہید کے وسیلہ سے شاہ عبدالعزیز سے ملتا ہے[۱۹] شاہ محمد اسحٰق نے ہجرت کرنے سے قبل دہلی میں مولانا مملوک العلی کی صدارت میں مولانا

---

[۱۴] تفصیلات کے لیے: عبیداللہ سندھی، تصنیف مذکور، ص ۱۳۲-۱۳۷ و بعدۂ؛ نیز غلام رسول مہر، "جماعت مجاہدین" (لاہور، سن ندارد) ص ۳۱۲، ۳۱۴ [۱۵] ان کے قیام حجاز اور وہاں سے ان کی جدوجہد کا ذکر، عبیداللہ سندھی، تصنیف مذکور، ص ۱۳۵-۱۳۶ میں ہے [۱۶] رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" (لکھنؤ ۱۹۱۴ء) ص ۱۲۶ [۱۷] مولانا محمد علی "شماتِ عنبریہ" مرتبہ: محمد اقبال مجددی (استنبول، ۱۹۷۹ء) ص ۱۳ [۱۸] رحمان علی، تصنیف مذکور، ص ۲۹۔ [۱۹] ایضاً۔

قطب الدین، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبدالغنی مجددی پر مشتمل ایک جمعیت تشکیل دی تھی تاکہ وہ شاہ محمد اسحٰق کے کام کو برعظیم میں جاری رکھ سکے۔ مولانا مملوک العلی کے بعد شاہ محمد اسحٰق نے اس جمعیت کی صدارت پر حاجی امداد اللہ کو فائز کیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شرکت کے مسئلے پر اس جمعیت میں اختلاف رائے پیدا ہوگیا۔ جو فریق جنگ آزادی میں سرگرم رہا، وہ اس کی ناکامی کے بعد، ہجرت کر کے حجاز چلا گیا۔[۱۰]

شاہ ولی اللہ سے فیض یافتہ علمائے اولاً شاہ عبدالعزیز اور پھر شاہ محمد اسحٰق کے توسط سے انیسویں صدی کے ہندوستان میں اس کے دارالحرب ہونے کی بنیاد پر ان دونوں راستوں کو اختیار کرنے کی راہ دکھادی تھی، چنانچہ ان دونوں راستوں پر چلتے ہوئے مسلمانوں نے بیسویں صدی کے اوائل تک اپنی جہاد کی تحریک کو کسی نہ کسی صورت جاری رکھا اور ایک مرحلہ پر شاہ محمد اسحٰق کی قائم کی ہوئی ہجرت کی روایت بھی ایک تحریک کی صورت میں منظم ہوئی۔[۱۱]

انیسویں صدی میں ہجرت کی تحریک اگرچہ منظم صورت میں سامنے نہ آسکی، اور اس کا اظہار شاہ محمد اسحٰق اور ان سے مستفیض افراد کے ہجرت کر جانے کی روایت تک بظاہر محدود رہا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا مطمح نظر اور اس کی تحریک درپردہ اور زیر زمین کروٹیں ضرور لیتی رہی ہے ——— اور یہ صرف دہلی تک محدود نہیں رہی کہ جسے خانوادہ شاہ عبدالعزیز کی مساعی کے باعث ۱۸۵۷ء تک مرکزیت حاصل رہی، بلکہ برعظیم کے دور دراز علاقوں میں بھی اس کی بازگشت محسوس کی جاسکتی ہے۔ مثلاً جیمز اوکینلے "(James O'Kinealy) نے، جس نے "ہندوستان میں وہابی تحریک" پر کلکتہ ریویو (Culcutta Review) میں

---

[۱۰] عبیداللہ سندھی، تصنیف مذکور، ص ۱۴۴، ۱۴۵-۱۴۶

[۱۱] تفصیلات اگلے باب میں پیش کی گئی ہیں۔

سلسلۂ مضامین لکھ کر شہرت حاصل کی تھی[۲۲] چند مخطوطات کے ساتھ رسائل کا ایک مجموعہ خریدا تھا، جس میں ایک غیر مطبوعہ "ہجرت کا رسالہ" بھی شامل تھا۔ اب یہ مجموعہ "انڈیا آفس لندن" کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[۲۳] اس کے سرورق پر غالباً جیمز اوکینلے نے یہ عبارت تحریر کی ہے:

"یہ کتاب میر محمد ساکن داناپور کے گھر میں پایا گیا"

اس مجموعہ میں شامل رسائل کی کل تعداد ۹ ہے۔ ان رسائل کے موضوعات سے اس مجموعہ کی نوعیت کا اندازہ ہوسکتا ہے:

۱۔ اردو، "فتویٰ" نماز جمعہ کی پہلی اذان کے مسئلہ پر۔

۲۔ عربی، "اربعین فی احوال المہدیین" کے عنوان سے "ورود مہدی" کے تعلق سے چہل حدیث کے انتخاب پر مشتمل ہے۔

۳۔ فارسی، "فتویٰ" مولوی فیض علی خراسانی کے استفتاء کے جواب میں، مولانا الٰہی بخش[۲۴] کے فتویٰ پر مبنی ہے، اور اس میں حنفی عقائد کے مختلف مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

۴۔ رسالۂ اول کا فارسی ترجمہ ہے۔

۵۔ فارسی، "فتویٰ" تراویح کے مسئلہ پر۔

---

[۲۲] ۱۸۶۴ء، ۱۸۷۰ء [۲۳] ۱۳۰، ۱۱۱، جے ایف بلوم ہارٹ (J.F. Blumhardt) "Catalogue of the Hindustani Manuscripts in the Library of the India Office". (لندن ۱۹۲۶ء) نمبر شمار ۱۴۸

[۲۴] نام مکمل درج نہیں، لیکن خیال اغلب ہے کہ یہ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (۱۱۶۲ھ - ۱۲۴۸ھ) ہیں۔ جو شاہ عبدالعزیز کے ممتاز شاگرد اور مرید تھے۔ ان کی شہرت ایک متداول عالم اور فقیہہ کی ہے۔ ۱۲۳۴ھ میں اپنی کبر سنی میں سید احمد شہید سے بیعت ہوئے۔ حالات کے لیے: سید ابوالحسن علی ندوی، "کاروانِ ایمان و عزیمت" (لاہور، ۱۹۸۰ء) ص ۸۳-۸۴۔

۶۔ چوتھے رسالہ کی نقل ہے، جس پر مختلف علماء کے دستخط اور مہریں ہیں۔

۷۔ ایک بیاض ہے، جس میں :

(۱) عربی حروف تہجی اور مصادر ــــــ اور ان کے علاوہ گجراتی حروف تہجی اور گنتی۔

(۲) مقبول آیات قرآنی اور ان کے اردو تراجم۔

(۳) "ہجرت کا رسالہ"

(۴) نکاح ثانی کا رسالہ" مرقومہ ۲۸ رمئی ۱۸۶۹ء

۸۔ فارسی، مطبوعہ فتویٰ پر مشتمل ایک ورق۔

۹۔ مختلف کاغذات، جن میں مختلف فقہی مسائل پر اظہار خیال کیا گیا اور طبی نسخے درج ہیں۔

"ہجرت کا رسالہ" کے آخر میں ایک عبارت درج ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بعد مولوی خرم علی بلہوری کا "رسالۂ جہادیہ" تحریر کیا گیا تھا، لیکن وہ اس مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔

"ہجرت کا رسالہ" اس مجموعہ کے ورق ۸۵ ب سے شروع ہو کر ۸۹ الف پر ختم ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اس رسالہ کو کسی اور جگہ سے نقل کیا ہے۔ اس لیے ورق ۹۰ الف پر یہ عبارت لکھی ہے :

"واضح رہے کہ رسالہ ہجرت کے بعد ہندی اصل میں رسالہ جہاد خورم علی[25] کا

۲۵ھ مراد خرم علی بلہوری اور ان کے منظوم فارسی "رسالۂ جہادیہ" سے ہے۔ خرم علی بلہوری، شاہ عبدالعزیز کے شاگرد اور شاہ اسمٰعیل شہید کے مقرب خاص تھے۔ ان کا رسالۂ جہادیہ اوقات جہاد میں پڑھا جاتا تھا۔ تفصیلات کے لیے، متعدد تصانیف، بالخصوص ایضاً، ص ۹۴ - ۹۵؛ "رسالہ جہادیہ" کو غلام رسول مہر نے "جماعتِ مجاہدین" ص ۲۹۹ - میں نقل کیا ہے

ہے، مگر چونکہ اس کے نصف کے پرت علیحدہ ہیں، اس واسطے یہاں لکھا نہیں گیا۔"

"رسالہ ہجرت" کا ترقیمہ یہ ہے:

"بتاریخ ۸ / مارچ ۱۸۶۹ء ایک .... کتاب سے، جو میر محمد ساکن داناپور کے مکان میں پائی گئی تھی، نقل کیے گئے۔"

یہ رسالہ اس امر کا ثبوت ہے کہ انیسویں صدی کے وسط اور نصف آخر میں جہاد کے متوازی، ہجرت کا واضح تصور برعظیم کے مسلمانوں میں پیدا ہو چکا تھا ——— لیکن اس کے شواہد کا تسلسل ابھی بہرحال تلاش و جستجو کا متقاضی ہے۔ اس غیر مطبوعہ[۲۶] رسالہ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

---

۲۶ یہ رسالہ اب تک غیر مطبوعہ رہا ہے، اس کا محض سرسری انگریزی ترجمہ جیمز او کینلے نے ۱۸۷۰ء میں اپنی تصنیف مذکورۂ بالا میں کیا تھا، اور اس سے ہنٹر نے اپنی تصنیف مذکور میں استفادہ کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہجرت کا رسالہ

سب خوبی اللہ کو ہے جو ہے مالک سارے جہان کا۔ اور اللہ کی رحمت اور سلام ہووے محمدؐ پر جو رسول ہے اس کا۔ اور ان کی اولاد اور اصحاب رضؓ سب کے اوپر۔

اب معلوم کیا چاہیے کہ جس ملک میں کافر کی عمل داری ہو جاوے اور شرع کے مطابق کام کرنے سے حاکم کی طرف سے ممانعت ہو جاوے تو وہاں سے نکل جانا سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ نہیں تو مرتے وقت بڑی مصیبت سے جان نکلے گی۔ فرشتہ جب جان قبض کرنے کو آوے گا تب ہی پوچھے گا کہ زمین اللہ کی کیا کشادہ نہ تھی جو وطن چھوڑ کر چلا جاتا تو اس میں۔ پھر بڑی سختی سے جان قبض کرے گا۔ بعد اس کے قبر میں برابر عذاب ہوتا رہے گا۔ اور قیامت کے دن دوزخ میں جانا ہوگا، اور ہمیشہ وہاں عذاب میں گرفتار رہے گا۔ خدا نہ کرے کہ جو مسلمان کی موت کافر کے ملک میں ہو۔ اگر کافر کے ملک میں مرے گا تو مرتے وقت بڑی خرابی سے مرے گا اور قبر کی مصیبت جُدا۔ اور حشر کے عذاب کا تو بیان نہیں۔ بھائیو اب بھی موت نہیں آئی ہے یہی وقت نکل بھاگو۔ اور جہاں مسلمانوں کی عمل داری ہے اس جگہ چلے جاؤ۔ اور مسلمانوں کے ملک میں جا بسو۔ اگر اپنے جیتے جی تو نکل جاوے گا تو ساری عمر کا گناہ معاف ہو جاوے گا۔ اور تمہاری روزی کی فکر تم کو نہیں ہے، خدا سب کا پالنے والا ہے۔ جہاں جاؤ گے روزی تمہارے پاس خدا بھیجے گا کبھی کہ خدا کہیں بھوکا نہ رکھے گا آج تک نہیں رکھا ہے۔ اور تم تو خدا ہی کے حکم

سے اپنا وطن چھوڑ کر جاتے ہو۔ تمہارے واسطے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بڑھتی اور کشایش اور رحمت کا وعدہ بہت سا فرمایا ہے۔ تم کو ڈر کیا ہے تمہارے ساتھ تو آسمان زمین کا مالک ہر دم ہے۔ جہاں جاؤ گے روزی تمہاری وہیں موجود ہے۔ کچھ فکر اس کی مت کرو اور چلے جاؤ۔ جو پیشہ تم یہاں کرتے ہو وہاں بھی کیا کرو۔ روزی سب کی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ تمہاری روزی عزت کے ساتھ اللہ آپ جہاں رہو گے وہاں پہنچا دے گا۔ خاطر جمع رکھو۔ اور اس کے ساتھ ساری عمر کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ اور دنیا میں آرام کے ساتھ گزران کرو گے۔ مرتے وقت جان کنونی کی مصیبت سے بچو گے۔ گور عذاب اور حشر کے صدمہ سے نڈر ہو جاؤ گے۔ دوزخ کے عذاب سے خلاص ہو جاؤ گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل کی قوم میں ایک آدمی تھا کہ اس نے ناحق ننانوے آدمی کو قتل کر ڈالا۔ پھر ایک بنی اسرائیل کے عالم کے پاس جا کر پوچھنے لگا کہ میں نے ننانوے خون ناحق کر ڈالا ہے۔ یہ گناہ میرا کسی طرح معاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس عالم نے جواب دیا کہ جو کوئی یک خون بھی ناحق کرے تو وہ بے شک دوزخ میں جاوے گا۔ تمہارا کبھی گناہ کسی طرح معاف ہو سکتا نہیں۔ تمہیں دوزخ میں ضرور جانا ہو گا۔ اُس نے سُن کر کہا کہ مجھے تو آخر دوزخ میں جانا ٹھہرا تو تمہیں بھی یک ہاتھ مار دوں کہ یک سو پورا ہو جاوے۔ پھر اس نے اُس عالم کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر دوسرے یک عالم پاس گیا۔ پوچھا کہ میں نے یک سو خون کر ڈالا ہے، میرا یہ گناہ کسی طرح معاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اُس عالم نے کہا کہ یک طور سے معاف ہو سکتا ہے۔ کہ تو توبہ کر کے اس ملک کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلا جاوے۔ اُس نے سنتے ہی توبہ کیا اور وطن چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر اس کی موت آئی۔ رحمت اور عذاب کے دونوں

فرشتے جان نکالنے کو آکر موجود ہوئے۔ رحمت کا فرشتہ لگا کہنے کہ اِس کی روح میں قبض کروں گا۔ اِس نے توبہ اور ہجرت کیا ہے۔ عذاب کا فرشتہ لگا کہنے کہ میں اِس کی جان نکالوں گا بڑی سختی کے ساتھ۔ ابھی ہجرت اِس کی پوری نہیں ہوئی۔ جس ملک کا گنہگار اسی ملک میں ہے اِس ملک کی سرحد میں ابھی ہے۔ اِس ملک کی سرحد کو چھوڑ کر اگر دوسرے ملک کی سرحد میں جا پہنچتا تو تمہارا حق تھا۔ پھر دونوں نے زمین کو ناپ کر دیکھا تو یک پاؤں اِس کا دوسرے ملک کی سرحد میں جا پڑا ہے۔ تب تو رحمت کے فرشتہ نے کہا کہ اب تو میرا حق ثابت ہوا۔ پھر رحمت کے فرشتہ نے آسانی کے ساتھ اس کی جان نکالی۔ اور وہ اللہ کی رحمت میں داخل ہوا۔

ہجرت کا ثواب معلوم کر چکے تو اب سارے مسلمان اللہ سے ہجرت کی توفیق مانگو۔ اور ہجرت جلدی کرو۔ کہ موت کہیں کافر کے ملک میں نہیں ہونے پاوے۔ نہیں تو بڑی خرابی ہوگی۔ پھر پچھتانا ہوگا۔ موت جب آ پہنچے گی اس وقت پچھتانا کچھ کام نہ آوے گا۔ جو کرنا ہے سو ابھی کر لو۔

ہجرت کا رسالہ تمام ہوا۔

ضمیمہ دوم:

مجموعہ

رسالۂ ہجرت و رسالہ قربانی گاو

یعنی

حضرت مولانا حافظ حاجی محمد قیام الدین عبدالباری لکھنوی فرنگی محلی حفظ اللہ عن شر در الغبی و الغوی کے وہ مضامین و خیالات جو ابتک وقتاً فوقتاً مختلف طریقون سے ملک مین شائع ہو چکے ہین

مرتبہ

جناب مولوی شیخ شاہد علی صاحب ساکن نینامؤ ضلع بارہ بنکی

مع سہ

چہل حدیث

جسمیں ہجرت اور شام و قزوین کے فضائل درج ہین

پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۲۰ء مین

جناب مولانا حافظ محمد برکت اللہ صاحب رضا لکھنوی فرنگی محلی نے شائع کیا

اور محمد شمس الدین کے اہتمام سے

شمس المطابع لکھنؤ بلوچپورہ مین چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں نے اپنی موجودہ پریشانی کی حالت میں جن امور کو بطریق احتجاج اور تشفی قلب کے اختیار کیا ہے ان میں سب سے زیادہ با اثر اور فائدہ بخش طریقہ ہجرت کا سمجھا جاتا ہے مگر جس بے ترتیبی سے اس تحریک کا اجراء کیا گیا ہے وہ بھی محتاج بیان نہیں ہے بعض غیر ذمہ دار لوگوں نے اس کی ابتدا کی اور بعض سربرآوردہ حضرات کے اقوال سے فائدہ اٹھایا بالخصوص حضرت استاد الاساتذہ مولانا مولوی قیام الدین محمد عبد الباری صاحب قبلہ دام ظلہ فرنگی محل اور حضرت بادشاہ اسلام غازی امان اللہ خان صاحب خلد اللہ ملکہ کے اعلانات و فرامین کو اپنی تحریک کی اشاعت کا خاص ذریعہ ٹھہرایا ہے حالانکہ ان سربرآوردگان قوم و ملت کے اقوال ان کی اس بے ہنگام تحریک کے مؤید نہ تھے لہذا مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا ممدوح دام فیضہ، کے جملہ مضامین جو مسئلہ ہجرت میں اس وقت تک لکھے گئے ہیں اور شائع ہوئے ان کو ایک جگہ جمع کر دوں اس پر اپنی جانب سے کوئی تبصرہ لکھنے کی بھی ضرورت نہیں ان جملہ اقوال کو، جن کو مولانا ممدوح مدفیضہ، نے قلم بند کیا ہے غور سے دیکھنے والا اچھی طرح ان کا مطلب سمجھ سکتا ہے اور جو اختلاف سمجھا جاتا ہے اس کو بھی دور کر سکتا ہے بشرطیکہ انصاف و غور سے ملاحظہ کرے

کمترین شاہد علی عفا اللہ عنہ

۱

قیام ہندوستان کے متعلق ہماری کیا رائے ہے؟

بعض تحریرات میں نظر سے گزرا ہے اور بعض لوگوں کی زبان سے بھی سنا گیا ہے کہ مسلمانان ہند باوجودیکہ ایک زمانہ سے ہند میں آباد ہیں مگر ان کا طرز اور رویہ صاف اس امر کو بتا رہا ہے کہ وہ غیر ملک کے لوگ ہیں اور انہوں نے جیسا کہ اگلی قوموں نے توطن اختیار کیا ہے ویسا اختیار نہیں کیا ہے۔

جو لوگ باہر سے آئے ہیں وہ اپنی شادی و بیاہ و تعلقات کو تابہ امکان اپنے ہم وطن اور ہم قوموں سے رکھتے ہیں اور جو ہندی الاصل مسلمان ہیں وہ باہم میل جول رکھتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو باہر کے لوگ ہیں وہ رشتہ ناتہ اس ملک سے اس قدر نہیں رکھتے کہ ان کا شمار اسی ملک کے رہنے والوں میں ہو۔

اگر وہ وقت آیا تو ان کو موقع ہے کہ اپنے اپنے ملک میں چلے جائیں اور جو اصلی باشندے ہیں وہ اپنے ہم قوموں سے مل جائیں گے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ عربی ہو اور تم نے اپنے انساب کا لحاظ رکھا اور تم ہندیوں سے نہ ملے، نہ ملنا چاہتے ہو

ہم خود دیکھتے ہیں کہ شعائر اسلامیہ کا لحاظ نہ رکھا گیا تو ہم کو کوئی چارہ نہیں بجز اس کے کہ ہم جہاں سے آئے تھے وہیں چلے جائیں۔

اگر پھر شوق سیر ہند ہے تو محمد بن قاسم کے طور پر نئے سرے سے آنا چاہیے میں اپنے لئے اس کو ممکن بھی سمجھتا ہوں اور میرے ایسے اور بھی بہت سے لوگ ہیں جن کو یہ آسان ہے کہ عرب کی سرزمین پر بود و باش اختیار کریں میرے دادا ابو ایوب انصاری کا گھر اس وقت تک زیارت گاہ خلائق ہے۔ ابو طلحہ انصاری کا باغ اور بیر حارث کے گرداگرد کی جو زمین ہے وہ اس وقت ہمارے ہی قبضہ میں ہے مدینہ طیبہ میں اس کے علاوہ بھی املاک ہے جس کا تعلق ہم لوگوں کی ذات سے ہے جیسا کہ فرنگی محل لکھنؤ ویسا ہی مدینہ طیبہ ہمارے حقیقی رشتہ داروں کے مزارات وہاں بھی ہیں جس طرح کہ یہاں ہیں سب سے بڑھ کر جوار رسول ہے

از مولانا عبدالباری فرنگی محلی رسالہ "مسلمان اور ہندو مسلمان ادارہ میں" مرتبہ مولوی سلامت اللہ صاحب مطبوعہ فخر المطابع، لکھنؤ۔ ماہ نومبر ۱۹۱۷ء

جو یہاں میسر نہیں ہے۔

جب دین کی حفاظت نہ رہی ہو تو ہجرت نہ کی جاوے تو کیا جاوے خصوصاً اس صورت میں جب کہ ہجرت ممکن ہو۔

میرے وسائل سے زیادہ دیگر حضرات کے وسائل ہیں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ سرزمین ہند کو چھوڑ کر کے سرزمین عرب میں قیام ہو۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آسان ضروری ہے مگر ہمت کے خلاف ہے اور اولوالعزمی کے منافی ہے وہ لوگ جن کو ہجرت ممکن ہے وہ بھی سمجھ لیں کہ مرابط کا ثواب زیادہ ہے ہم اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے جب تک اس سرزمین میں رہیں گے ضرور مرابطہ کا حکم رکھیں گے۔

مدینہ طیبہ سے زیادہ کوئی مامن وملجا مسلمان کا نہیں ہے مگر اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعۃ دین اتنا اہم امر ہے کہ اہل مدینہ نے اس کو عزیز مقصد کی غرض سے چھوڑ دیا اور یہ ان کی عالی حوصلگی پر دلالت کرتا ہے ہندوستان جیساکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں بلحاظ احکام اسلامیہ کے معمولی مرتبہ نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کی شرافت دیگر ممالک سے بہت زیادہ ہے وہاں کا قیام مسلمانوں کے واسطے کم شرف نہیں رکھتا ہے۔

یہ وہ ملک ہے جہاں کلمۃ اللہ کو ہم نے رائج کیا ہے اور ہمارے مورث آ آ کے یہاں سپرد خاک ہوئے ہیں ہمارا آنا نہ تو باد ہوائی تھا کہ خاک ہماری ہوا میں اڑ جاتی نہ سموم کہ دلوں کے لیے باعث خزاں ہوتے اور ہم جلائے جاتے بلکہ ہمارا آنا بہار ہندوستان تھا کہ جس نے اس ملک کی مٹی کو بزرگی دیدی یہ مٹی ہندوستان کی ہمارے اعلیٰ ترین اکابر و مشاہیر روزگار کی خاک ہے ہم اس کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس سرزمین کی شادابی میں اپنا خون بہایا ہے اور اس سے سینچا ہے اور اس کی خاک میں خاک ہوئے ہیں نہ بہے نہ جلے جو اس ملک سے محبت نہ رکھتے ہوتے۔

مسلمان یہاں آئے اور یہاں کی آبادی کا باعث ہوئے اور اب بھی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے یہ دلوں سے نکال دیا جائے کہ ہم بیگانہ ہیں اور بیگانہ وار چلے جائیں گے ہم یہاں کے ہیں اور یہاں رہیں گے۔

ہمارے بھائی جو ہندی الاصل ہیں ان کو ہم کس طرح چھوڑ نہیں سکتے ہم نے اپنا تعلق عرب کے خالص خون سے جدا نہیں کیا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہم نے ہندوستان کو عرب سے ملا دیا

ہے ہم ہندی بھی ہیں عرب بھی ہیں مسلمان بھی ہیں مگر پہلے مسلمان پھر عرب پھر ہندی اور اسی طور سے ہم رہیں گے۔

(۲)

نقل جزء جواب منجانب حضرت مولانا محمد عبدالباری صاحب

دام ظلہم العالی ۱۴ جمادی الاولی ۳۷ھ یوم شنبہ نمبر ۱۳۹۲

اس قدر گزارش ہے کہ درصورت مداخلت امور مذہبی واسر مسلم نبذ معاہدہ کی بغرض معاہدہ حاجت نہیں ہے، ہدایہ ملاحظہ ہو۔ آخرالامر وہی عدم استطاعت عذر ہو سکتا ہے۔ اور آیۂ وَاِنِ استنصروکم فی الدین پر جو حاشیہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمائیے کہ اس سے حکم مسلمانان ہند روشن ہوتا ہے یہ آیت اگر غیر منسوخ مان لی جائے تو وجوب ہجرت میں کون شے باقی ہے جہاں تک قدما کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے آیۂ مذکور منسوخ ہے علامہ سرخسی کی مبسوط ملاحظہ ہو ہم لوگ وجوب ہجرت کا انکار نہیں کرتے مگر وہ ہجرت جس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے اس کے نسخ کے ہم بھی قائل ہیں ایسی حالت میں اس آیت کا لحاظ ہم نہیں کر سکتے مگر حضرات کبار پر حرف زن بھی نہیں ہیں دارالکفر میں فرض کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ کتب احادیث سے ثابت ہے اور استیلاء کی حالت میں دارالاسلام کے لیے طلب والی مسلم کے ماموریں باوجود ان اختلافات کے جدال وقتال کو اس وقت اعانت بمال کو مسلمانان ہند کے اوپر فرض نہیں سمجھتے بوجہ عدم استطاعت نہ بوجہ معاہدہ۔

نقل جزاز جواب خط مولوی خلیل احمد صاحب منجانب

حضرت مولانا عبدالباری صاحب مدظلہ مورخہ ۲ جمادی الاولی ۳۷ھ

(۲) عرض ہے کہ ہندوستان کے متعلق کوئی قاطع رائے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی

۲۔ منقول از اخبار قوم، ۷ رجب ۳۷ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹ء چہارشنبہ جلد ا نمبر ۲۱۔

جب تک کہ اس کا تصفیہ نہ ہو جائے کہ دارحرب ہو گیا اور ملک نصاریٰ میں چلا گیا ورنہ دار اسلام کے کوئی معاہدہ خلاف شرع صحیح نہیں ہو سکتا ہے مبسوط میں ملاحظہ ہو وان کان طلب الذامتہ علی ان یترک یحکم فی اھل ملکتہ بماشاء من قتل وصلب اوغیرہ مالا فی دار الاسلام لم یجب الی ذلک ...... الی آخرہ اور اگر دارحرب میں قیام کیا ہے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ اگر ہم نے امان لے کر ان سے دارحرب میں قیام کیا ہے علامہ سرخسی ارشاد کرتے ہیں۔ لانہ ممنوع من التوطن فی دار الحرب اور اگر مسلمان مقہور ہو گئے اور انہوں نے امان دی تو اس امان کی ایفائے ایجاب کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ وہ باطل ہے مبسوط میں ہے واذا اسلم فی دار الحرب تاجرا او اسیرا او اسلموا ھناک فامنھم فامانہ باطل لانہ مقھور فی ایدیھم۔ ہمارا موجب امان افعال کرنا کوئی اثبات امان کے واسطے دلیل نہیں ہو سکتا ہے ملا محمود عینی تحریر کرتے ہیں فان قلت امنہ محمد بن مسلمہ قلت لم یصرح لہ بامان فی کلامہ وانما کلمہ فی امر البیع والشراء والشکایۃ الیہ والاستیناس حتی تمکن من قتلہ ....

مجھے تو تحیر اس امر کا ہے کہ معاہدہ کے دعوے کا فریق ثانی مقر نہیں ہے بلکہ عام قانون کی پابندی کرنے والے کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا رہے چاہے وہ معاہدہ ہو یا نہ ہو وہی برتاؤ والیان ملک کے مسلمانوں کے ساتھ بھی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے عدم قدرت مسقط فرض دفاع ہے وہ بس ایسی صورت میں، چاہے وہ صلح جائز ہو یا نہ ہو اختیار کی جا سکتی ہے جب کہ خوف ہلاک کا ہو مگر صاحب فتح القدیر تحت قول صاحب ہدایہ "الا اذا خاف الہلاک واجب بای طریق یمکن" کے لکھتے ہیں وھو تساھل فانہ لایجب دفع الھلاک باجراء کلمۃ الکفر الخ اس قدر اور عرض ہے کہ اگر معاہدہ مان بھی لیا جائے تو استخفاف مسلمین کی صورت میں اس کی پابندی لازم نہیں رہتی ہے شرح مبسوط میں ہے المستامن ملتزم ترک الاستخفاف بالمسلمین فانما اعطیناہ الامان یستذل المسلم اذ لایجوز اعطاء الامان علی ھذا اور ایسی کتب میں اور فتح القدیر میں بھی ہے فان اغاروا اھل الحرب الذین فیھم المسلمین المستامنون علی دار من المسلمین فاسروا ذراری المسلمین اذا کانوا یطیقون القتال لانھم ملکوا ذراری المسلمین بالاحراز فھم ظالمون فی استرقاقھم والمستامنون

ما ضمنوا لھم التقریر علی الظلم فلا یسعھم الا فتا لھم کالا ستنقاذ ذراری المسلمین من ایدیھم ۔ . . . . جہاں تک معلوم ہوتا ہے امیر کا چھڑانا ہی فرض ہے اور درجہ بدرجہ فرض عین ہوتا جاتا ہے تو اس کے استنقاذ میں امان حارج نہیں ہوتی ہے اس طرح دارالاسلام پر جب کفار حملہ آور ہوں تو دفاع ہو جاتا ہے شرقاً و غرباً اور امان مانع نہیں ہے بوجہ فرض عین ہو جانے کے کہ وہ مطالبۂ خدا ہے اس کے مقابل کوئی حق نہیں ہے استیمان سے زیادہ قوی حق ملک یمین ہے اور تزدج ہے وہ بھی مضمحل ہو جاتا ہے تمام دین پر وجوب متحقق ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ اسی واسطے فقہا نے کوئی قید نہیں لگائی ہے اور مفہوم مخالف کتب فقہ میں معتبر ہے اس کا قید نہ لگانا حکم عام ہونے کو کافی ہے اس میں شک نہیں کہ اہلاک نفس بلا ضرورت جائز نہیں ہے قانون جن امور کو روکتا ہے ان کو نہ کرنے میں ہم کو عذر ہے جہاں جہاں جتنا جتنا عذر مقبول ہے ہم پر اتنی قدر تخفیف ہے اور اکراہ بھی اپنے محل پر ہے حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ہم لوگ سمجھتے ہوئے ہیں۔ ہندوستان دارالاسلام ہے اور اس میں کوئی معاہدہ واجب العمل نہیں ہے جو خلاف اسلام ہو اور عدم وجوب قتال بوجہ عدم قدرت کے ہے ہم احکام مرالطین کے لحاظ سے یہاں مقیم ہیں اور قانون کے پابند ہیں تاکہ ضرر نہ ہو اور قدرت حاصل کرنے کے مکلف ہیں کہ وہ شرط اداء واجب ہے اگر ہم خلاف قانون کریں گے حکومت سے سزا پائیں گے خدا کے گنہکار ہوں گے، چاہے وہ عذاب کرے خلاف قانون کرنے سے جہنم میں ہم نہ جلیں گے اور اگر بعرض دار حرب ہے تو درحقیقت معاہدہ نہیں ہوا ہے بلکہ حکام کی طرف سے امان دی گئی ہے جس کے مقتضی کے ہم مکلف نہیں ہیں اور جو اطاعت ہے وہ محض برائے حفاظت خود ہے یا مخادعت ہے یہی سبب ہے جو عام طور سے یہ دارالامان کہا جاتا ہے اور اگر دارالا ستیمان ہے کہ مسلمان امان کے ذریعہ سے دار حرب میں ہیں تو اس صورت میں ان پر ہجرت فرض ہے جب کہ دیگر مقامات دارالاسلام موجود ہیں اور اہل کتاب ہیں اس وقت بطور عارضی ہجرت کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے جب کہ کوئی دار دنیا میں دار اسلام نہ ہو اور دار استیلاء سے ہجرت کی فرضیت معقول نہیں۔

(۳) عرض ہے کہ فتوی محض سمجھ داروں کے لیے ہے عام اشاعت کی غرض سے نہیں ہے اس واسطے بہت زیادہ تصریح کی حاجت نہیں بلکہ تصریح سے اجمال بہتر ہے ایسی صورت

ہیں جب کہ مصلحت شرعی اس کی تصریح سے فوت ہوتی ہے، مجھے جناب سے امید ہے کہ تھوڑی تکلیف فرماکر بغور میرے معروضہ کو ملاحظہ فرماکر تسکین کر دیجیے۔ آخر میں نہایت ادب سے معافی کا خواستگار ہوں کہ بہت وقت صرف کرایا ہوگا مگر مجھے بڑے مہلکہ سے نجات ہو جائے گی میں عرض کرتا ہوں اگر علمائے متبحرین مجھے صبر و سکون کا فتویٰ دیں تو خطرات میں نہ پڑوں اور عزلت اختیار کرلوں اور حکومت کو بھی دشواری ہوتی ہے اور اس فقیر عاجز کو بھی مشکلات پیش ہوتے ہیں اگر خدا کے حکم میں حل اس دنیاوی دشواری کا ہو تو کاہے کو آسان صورت نہ اختیار کی جاوے جب کہ مقصد رضائے الٰہی ہے و بس فقط

(۳)

منجانب حضرت مولانا محمد عبدالباری صاحب قبلہ

مسلمانان ہند میرے نزدیک پابند قانون اگر نہ رہے تو ان کو پاداش اٹھانا ہوگی مگر جہنم میں اس کی وجہ سے جلیں اس کو میرا دل قبول نہیں کرتا ہے میں حکومت برطانیہ کو بھی اس سے مستغنی سمجھتا ہوں کہ جہنم کے خوف پر حکومت کرے اگر اس کو اپنے اقتدار پر بھروسہ ہے اس واسطے مجھے کچھ خدشہ نہیں کہ صاف ظاہر کردوں کہ نہ تو حکومت کسی معاہدہ کی مقر ہے نہ ہم کو اس معاہدہ کا علم ہے نہ ایسے معاہدہ کی نظیر کتاب اللہ میں نہ سنت رسول اللہ میں نہ فقہ کا کوئی جزئیہ اس کے مطابق ہے محض ہمارا رعیت ہو کے بسر کرنا معاہدہ نہیں بلکہ عاجزی ہے اور قہر و غلبہ کا باعث ہے اور مقہور کا معاہدہ پامال ہے اور کوئی معاہدہ خلاف شرع واجب العمل نہیں ہے بڑی دلیل کعب ابن اشرف یہودی اور محمد بن مسلم انصاری کے درمیان جو عہد ہوا تھا مگر اس سے عہد کا قبول کرنا شرعاً مسلم نہ ہوا ہمارے رود مرہ کی برتاوے یہ ہے کہ وہ بھی معاہدہ نہیں ہو سکتا ابو سفیان نے مدینہ میں پکار کے کہا کہ ہم نے امان دی مگر اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا اسود کے ماتحت مسلمان رہے اور برابر اس کی حکومت کے احکام کو تسلیم کرتے رہے مگر وہ شرعی معاہدہ نہ ہوا یہاں تک کہ سازش کر کے بعض نے اس کو ہلاک کرایا جن سے اس سے عقود ہوئے تھے اگر ایک دلیل بھی معاہدہ پر ہو تو تسلیم کرلی جائے مگر مجھے تو کوئی دلیل نہیں معلوم ہوتی

۳؎ منقول از اخبار قوم، دہلی، ۲۲ رجمادی الثانی ۳۷ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹ء یوم دوشنبہ۔

(۴)

دوسرا مسئلہ دار اسلام اور کفر کا ہے

امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ وہ دنیا کو دار واحد سمجھتے ہیں جمہور کہتے ہیں کہ غلبہ سے حکم دار ہوتا ہے اگر غلبہ کفر ہے تو دار کفر اور غلبہ اسلام ہے تو دار اسلام ہے پھر کبھی ظاہر اسلام کو امن و غلبہ دوسرے مقام کے لحاظ سے ہوتا ہے اس لیے دار کفر حقیقتہً دار اسلام کے حکم میں ہو جاتا ہے جیسے حبشہ کہ آنحضرتؐ کے وقت میں حقیقتہً دار کفر تھا مگر ظاہر دار اسلام میں کر دیا گیا اور اس کی جانب ہجرت شروع ہوئی کبھی اس کے برعکس دار اسلام حقیقتہً ہوتا ہے اور ظاہر احکم دار حرب میں ہو جاتا ہے جیسے وہ ممالک ہیں جہاں بعد دار اسلام ہونے کے استیلائے کفار ہو گیا ہو اور مسلمان وہاں بکثرت رہتے ہوں دار اسلام حکماً و حقیقتہً دار حرب ہو جاتا ہے کبھی دار کفر حقیقتہً و حکماً دار اسلام ہو جاتا ہے مگر اسلام کو ہر جہت میں رفعت و علو ہے اس واسطے دار اسلام ہونا آسان ہے بہ نسبت دار کفر کے جو بلدہ دار اسلام تھا وہ محض ظاہری غلبہ سے کفار کے دار کفر نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی حکم احکام اسلام کا وہاں باقی نہ رہے اگر ایک حکم بھی وہاں جاری رہے تو وہ دار کفر نہیں امام ابو حنیفہؒ اس کے ساتھ قید اور بھی بڑھاتے ہیں کہ اتصال دار حرب سے بھی ہو جائے اگر کوئی حکم جاری نہ رہے اور اتصال دار حرب سے نہ ہو تو وہ مقام بھی امام صاحب کے نزدیک دار حرب نہ ہو گا اسی طرح کوئی شخص اپنے ایمان یا امان سے جو اس کو پہلے سے حاصل تھی نہ رہ سکے۔ جب تک یہ شرط فوت نہ ہو گی اگرچہ اتصال دار حرب سے ہو چکا ہے اور کوئی حکم بھی احکام اسلامیہ سے باقی نہ رہے مگر لوگ ایمان و امان سابق کے باعث سکونت رکھ سکتے ہوں تو وہ مقام بھی دار حرب نہ ہو گا دار اسلام ہو گا اور ملک غیر مسلم اور سپر عارضی ہو گی جو مسلم وہاں آباد ہیں وہ اعلاء کلمۃ اللہ و اعلاء دین کی توقع پر رہیں ورنہ وہاں کوطن صحیح نہ ہو گا۔

(۵)

نقل از خط بنام وائسرائے بوقت قید مسٹر محمد علی

۱۳ رمضان المبارک ۳۷ ہجری یوم پنجشنبہ

منقول رسالہ النظام بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۷ ہجری۔

اگرچہ محبان مذکور کے اس اعلان سے کہ "ہمارے مطالبات کی تعمیل نہ ہونے کی صورت میں ایک اچھے (سچے) مسلمان کو اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہجرت یا جہاد میں سے کسی ایک بات کو اپنے لیے پسند کرے" موافق نہیں مگر اس قدر ظاہر کرنا بھی لازم سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی غیر آئینی اعلان نہیں ہے۔ رہا ہجرت کا مسئلہ تو ہمارے نزدیک غلط فہمی کے باعث ہے برابر مطالبات کرتے رہیں گے جو ہمارا جہاد ہے اور ہم اس طرح ہجرت نہیں کریں گے جس کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام کی توہین ہو باوجود اس کے پھر عرض ہے کہ اگر کوئی شخص ترک وطن کی خواہش کرے تو یہ قانون کی خلاف ورزی کیسے ہو جاتی ہے بہت علماء کبار اور مشائخ کے نزدیک ہندوستان سے ہجرت فرض ہے خصوصاً ان لوگوں کے نزدیک جو اس ملک کو دار حرب سمجھتے ہیں کیونکہ دار حرب میں توطن ممنوع ہے جیسا کہ حدیث اور قرآن میں مذکور ہے اور علماء نے تصریح کر دی ہے اور بعض ان میں سے بہ عہد استیمان رہنے کو جائز سمجھتے ہیں ہم لوگ چونکہ ہندوستان کو دار اسلام سمجھتے ہیں اس وجہ سے ہجرت کو فرض نہیں کہتے ہیں[1]

(۶)

نقل مضمون از تقریر کلکتہ متعلق ہجرت

یہ تجاویز جو صلح کانفرنس ترکی سلطنت کے لیے کر رہی ہے اس کا اثر ہم پر اس قدر پڑ رہا ہے کہ ہمارا سکون وطن دشوار ہے ہم ہندوستان کو دار اسلام سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہاں کا قیام اختیار کیا ہے ورنہ یہاں سے ہجرت کر جاتے اس واسطے کہ توطن دار حرب میں ممنوع ہے حدیث شریف میں ہے "انا بریٔ من مسلم بین مشرکین" اور مبسوط میں علامہ سرخسی نے صاف لکھ دیا ہے کہ توطن دار حرب میں ناجائز ہے ہم ہندوستان میں رہتے تھے اور دار اسلام سمجھتے تھے اس واسطے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دار اسلام اس وقت دار حرب

---

[1] واضح رہے کہ حضرت مولانا فرنگی محلی کا یہ مکمل خط نہیں ہے، بلکہ ہجرت سے متعلق خط کا صرف ایک اقتباس ہے۔ اس خط کا ایک حصہ چوہدری خلیق الزمان نے "شاہراہ پاکستان" میں نقل کیا جلد (ص ۱۴۱۔ ۲۴۰) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اپنے مریدین کی حمایت میں اور ان کو شدائد سے بچانے کی سعی میں مولانا عبدالباری مرحوم اپنے خط میں علی برادران کے خیالات کی ترجمانی میں کامیاب نہ ہو سکے، بلکہ ان کے خط سے علی برادران کا نظریۂ حیات اور زیادہ آب و تاب کے ساتھ گورنمنٹ کے سامنے آ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خط کے چند مہینے بعد علی برادران کی نظربندی ختم کر کے انہیں چندواڑہ جیل بھیج دیا گیا۔" (ص ۲۴۱)

ہو سکتا ہے جب کہ تین شرطیں وہاں موجود ہو جاویں ایک یہ کہ ایمان و امان اول سے بلا روک ٹوک آدمی بسر کر سکے جیسا کہ پہلے بسر کرتا تھا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اس شرط کو ثابت کیا ہے دوسرے شعائر اسلامیہ جاری نہ ہوں اس کو بھی شاہ صاحب نے موجود بتایا ہے تیسرے اتصال دار حرب سے ہو جاوے یہ شرط البتہ اسی وقت تک نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ سلطنت اسلامیہ درمیان میں حائل ہے اب اگر عراق جس پر انگریزوں کا تسلط ہے ان کے قبضہ میں رہا حجاز پر ان کے زیر اثر شریف مکہ کی برائے نام حکومت رہی اور انگریزوں کی حکم برداری قائم ہوئی شام فرانس کو دیا گیا مصر و فلسطین و مالٹا درہ دانیال سب انگریزی حکم برداری میں آگئے تو پورا اتصال دار حرب سے ہو جائے گا اس وقت کسی طور پر ہندوستان دار اسلام نہ رہے گا اس وقت یہ سب حالت موجود ہو گئی ہے ممکن ہے کہ شرائط صلح اس قسم کے نہ ہوں اگر ایسے ہی ہوئے تو سب کے پہلے میں اس ملک سے ہجرت کر جاؤں گا اور قسطنطنیہ میں جا کے اپنے اجداد کرم حضرت ایوب انصاری کے مزار پر پڑ رہوں گا اگر خدا نے قبول کیا تو وہیں شہید ہو جاؤں گا۔

(۷)

سوال ہجرت

مولانا عبدالباری صاحب کا خط

فرنگی محل

۲ر شعبان ۳۸ھ

مکرمی دام مجدہ، السلام علیکم

بعض حضرات نے مسائل ہجرت بذریعہ تار دریافت کیے ہیں اس کا جواب دے دیا گیا ہے مگر مفصل نہیں اس واسطے اس کی تفصیل عرض کرتا ہوں امید ہے کہ شائع فرما دیجیے گا۔

ہجرت شرعاً دو طریقوں پر مستعمل ہے ایک ہجرت اوصاف سے دوسرے اوطان سے۔ ہجرت اوصاف سے یہ ہے کہ ممنوعات شرعیہ کو چھوڑ دے اور اوامر کا پابند ہو یہ ہجرت ہمیشہ تک مشروع ہے دوسرے ہجرت اوطان سے تھے۔ یہ چند اقسام کی ہے۔

(۱) ہجرت مکہ سے حبشہ کی جانب دو مرتبہ ہوئی اس وقت جب کہ کوئی دار اسلام نہ تھا تو

ے۔ منقول از حریت، دہلی۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۲۰ء مطابق ۶ر شعبان ۱۳۳۸ھ یوم دوشنبہ جلد ا نمبر ۱۱

دار شرک سے دار اہل کتاب کے جانب ہجرت ہوئی یا دار ظلم سے دار عدل کی جانب اور اگر نجاشی کا اسلام مان لیا جائے تو وہ بھی ہجرت دار اسلام کی جانب ہوئی۔

(۲) ہجرت مکہ شریف سے جو اس وقت دار الحرب تھا مدینہ طیبہ کی جانب کہ جو دار الاسلام تھا یہ فرض تھی اور فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گئی یعنی جو ایمان لائے وہ ہجرت کرے تب تو تمام احکام میں مسلمانوں کے شریک ہے ورنہ نہیں یہاں تک کہ توارث وغیرہ میں بھی حق نہیں ہوتا ہے امام رازی کے بیان کے موافق یہ ہجرت اُس وقت ہو جائے گی جب کہ مسلمانوں کی اگلی حالت لوٹ آئے اور سوائے ایک مامن کے کوئی نہ ہو۔

(۳) ہجرت بادیہ نشین کی مدینہ طیبہ کے جانب یہ حقوق میں مساوات حاصل کرنے کے لیے ضروری تھی یہ بھی منسوخ ہو گئی بلکہ حکم ہو گیا کہ جہاں کوئی شخص پیدا ہوا اور اُس مقام پر نماز وغیرہ ارکان اسلام ادا کر سکتا ہو تو اُس کو ہجرت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) دار فسق و ظلم سے دار عدل و تقویٰ کے جانب ہجرت ہو بلکہ اُس زمین سے جہاں گناہوں کی کثرت ہو وہ خود مرتکب ہو یا دوسرے یہ ہجرت مستحب ہے۔

(۵) دار حرب سے دار اسلام کے جانب ہجرت مستحب ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہو جاتی ہے بلکہ توطن دار حرب میں بلا ضرورت شرعیہ حرام ہے ہم لوگ ہندوستان کو دار اسلام سمجھتے ہیں اور اعزاز دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت سے قیام کیے ہوئے ہیں اس واسطے ہجرت فرض نہیں جانتے مگر جب چارہ نہ ہو بجز اس کے کہ یا ہجرت کریں یا مبتلائے مصیبت رہیں یا استرضاء بالمعصیۃ کا ارتکاب ہو یا قیام وطن سے اس قدر خدمت نہ کر سکیں جتنی کہ باہر نکل کر کر سکتے ہیں تو ان صورتوں میں ہجرت مشروط ہے۔ موجودہ حالت میں ہندوستان سے اگر قابل و ذی استعداد لوگ کابل ہجرت کریں یا محنتی و جفاکش لوگ ترک وطن کر کے وہاں جائیں تو امید ہے کہ اسلام کو فائدہ زائد حاصل ہو اور اپنے وطن عزیز کی بھی خدمت کریں۔

(۶) احادیث سے آخر زمانہ میں شام کی جانب ہجرت کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور قزوین و دیلم میں ہجرت و مرابطت کرنے کا ثواب منصوص ہے اور احکام ہجرت کے بوجہ تطویل کے ذکر نہیں کیے گئے فقط

(۸)

مولانا عبدالباری صاحب کا فتویٰ

ہجرت کی اجازت

(تار کے ذریعے)

ہجرت کے متعلق میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ضمیر (قلب یا ایمان) کو مطمئن نہیں کر سکتے وہ اب اسلام کے احکام کے متعلق عمل پیرا ہوں اور اس ملک سے ہجرت کر کے ایسے مقام پر چلے جائیں جہاں اسلام کی خدمت انجام دینا اور اسلامی قوانین (شرع شریف) کے مطابق عمل کرنا بہتر طریق پر ممکن ہے۔

(۹)

خط بنام غلام محمد عزیز صاحب

مکرمی دام مجدہ، السلام علیکم السلام علیکم

معاف فرمائیے کہ فیض آباد جانے کے باعث و دیگر ناگزیر امور پیش آنے کے سبب جواب خط میں جناب کے تاخیر ہوئی۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنے نزدیک میں نے باوجود اس کے کہ نہایت صاف مسائل ہجرت کے تحریر کر دیئے تھے مگر وہ اس امر کا باعث ہوئے کہ آپ کو مزید استفسار کی ضرورت پڑی جواباً عرض ہے۔

(۱) مدینہ طیبہ کا دار اسلام ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے متحقق ہوا ہے اور انصار کے وعدہ کر لینے سے کہ وہ اعانت کریں گے اور جگہ دیں گے پہلے ہجرت کا حکم ہوا تھا پہلے فرض نہ تھی پھر بعد ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض ہو گئی تھی۔

(۲) دار اسلام جہاں غلبہ و تسلط اہل اسلام کا ہو اور شعائر اللہ اور احکام شرعیہ نافذ ہو سکیں۔

(۳) دار حرب جہاں شعائر اللہ نافذ نہ ہوئے ہوں اور غلبہ کفار ہو یہاں قابل لحاظ یہ امر ہے کہ جو ملک دار اسلام ہو گیا ہے وہ پھر دار حرب ہوتا ہے یا نہیں ایک جماعت

---

۸ منقول از اخبار [illegible] یکم مئی ۱۹۲۰ء مطابق ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ یوم شنبہ، جلد ا نمبر ۲

علماء کی کہتی ہے کہ دار اسلام کبھی دار حرب نہیں ہو سکتا ہے دوسری جماعت کہتی ہے کہ ہو سکتا ہے مگر اختلاف ہے کہ کب ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب امان اول سے لوگ نہ رہ سکیں، شعائر اللہ جاری نہ ہو سکیں، درمیان میں اس جگہ کے اور دار حرب کے کوئی ملک دار اسلام کا فاصل نہ ہو بلکہ یہ متصل کر لیا جاوے دار حرب کے تو وہ ملک دار حرب ہو جاوے گا ورنہ نہ ہوگا اور امام محمد وغیرہ کہتے ہیں کہ جب غلبۂ کفار ہو جائے اور شعائر کفر جاری ہوں شعائر اللہ جاری نہ ہو سکیں تو وہ ملک دار حرب ہو جاتا ہے اس میں دو قول ہیں تمام شعائر اللہ مٹ جاویں یا ایک مٹ جاوے ہمارے اکثر علماء کے نزدیک ہندوستان نہ تو امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق دار حرب ہے نہ امام محمد کے قول کے توافق دار حرب ہو گیا ہے بلکہ وہ دار اسلام ہے بحر الرائق کے فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ استیلائے کفار کی صورت میں ملک ظاہراً دار حرب ہو جاتا ہے مگر حقیقتہً دار اسلام رہتا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ اور ان کے ہم رائے علماء کے نزدیک ہندوستان دار حرب ہو گیا ہے اور شعائر اللہ باقی نہیں رہے جو امور شرعی جاری ہیں وہ اس وجہ سے کہ قانون ان کے نفاذ کو جائز رکھتا ہے نہ اس وجہ سے کہ شرع کے وہ احکام ہیں اس قول کے موافق ہندوستان ملک نصاری ہے نہ کہ بر قول اول بعض کبار علمائے فرنگی محل کا میلان بھی شاہ صاحب کے قول کی طرف ہے مگر میں ابھی تک دار اسلام سمجھتا ہوں۔

(۴) اس وقت دنیا میں کوئی جگہ بھی بالکل مصئون و مامون نہیں ہے۔ مگر جہاں تک نسبتاً دیکھا جاتا ہے کابل کی حکومت سب سے بہتر ہے اور بخارا و خیوا کے حالات ابھی معلوم ہوئے۔ امید ہے کہ وہ کابل سے زائد مصئون و مامون ہوں علاوہ اس کے یمن میں بھی حفاظت ایمان ہے اور شام کو بھی ایسا کہتے ہیں اناطولیہ کی حالت جیسے پہلے تھی اب بھی ہے غرضیکہ اس طرح ملک میں جہاں مسلمان محفوظ رہ سکتا ہے خصوصاً جو اتباع شریعت کر کے بسر کرنا چاہے اس کو ان ممالک میں خطرہ نہیں ہے۔

(۵) چونکہ ہجرت بر قول اول اکثر علما منسوخ ہے اس واسطے ان صورتوں کو عرض کیا گیا کہ یہ مشروع ہیں اور کل کے نزدیک یہ صورتیں منسوخ میں داخل نہیں ہیں، رہا فرض یا مستحب اس کے متعلق عرض کر دیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک ہندوستان سے ہجرت فرض نہیں ہے اکراہ کی حالت میں بھی مطلق فرضیت کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے بلکہ بعض حالات کے تقاضہ

سے عدم جواز ہجرت یا مفضولیت کا حکم معلوم ہوتا ہے اگر ہندوستان دار حرب ہو تو بھی حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی تحقیق کے موافق یہاں سے ہجرت ہر حالت میں فرض نہیں ہے میرے متعلق جو کچھ ارشاد کیا گیا ہے اس پر غور و فکر کے بعد مشورہ کیا وہ لوگ جن کے مشورہ پر ان امور میں میں نے تمام مشاغل انجام دیئے وہ مجھے ہجرت سے مانع ہیں اور میں خود فرض نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ ان کے مشوروں کو رد کر دوں ہم لوگوں کا قیام ہندوستان میں بہ نیت دفاع رہا اور مرابطت کے حکم میں سمجھتے ہیں اس کے تغیر کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اب زیادہ ہے ہم سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا رہنا زائد مفید مسلمانوں کے لیے ہے ورنہ یہ امر آپ باور فرمائیں کہ ہم کو خود یہاں اس قدر عافیت نہیں ہے جس قدر دوسرے مقامات پر عافیت ہے بالخصوص مدینہ طیبہ میں ہمارے قبضہ کے عمدہ عمدہ مکانات اور ہر قسم کی سہولتیں ہیں ہم یہاں حب وطن یا راحت کے خیال سے نہیں ہیں ہمارے افعال مستوجب سزا ہیں دائم الحبس لعبور دریائے شور یہاں سے بھر ہمارے لیے جان بچانے کی اس سے زائد بہتر کوئی صورت نہیں کہ ہجرت کر جاویں حکومت ہمارے جانے سے مطمئن ہو جاوے گی اور ہم بھی راحت پا دیں گے مگر فائدہ شرعیہ کے لحاظ سے قیام ہے وہ جب تک مدنظر ہے ہم ہجرت نہیں کر سکتے ہیں اسلامی سلطنتوں کے حالات سے اگر آپ واقف ہیں تو کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں سہولت زائد ہے اگر ناواقف ہیں تو رائے جلد قائم نہ فرمائیے کابل پر اس قدر اعتماد نہ کیجیے جس کا وہ مستحق نہیں اس قدر عرض ہے کہ رہنمائی ہم سے اگر نہ ہو تو مشورہ تو پہلے کر لیا جاوے اس کے بعد کچھ کیا جاوے ہجرت بہترین مسائل شرعیہ سے ہے اس کو رائیگاں نہ کیا جاوے باقی امور جو کچھ فرمائے گئے ہیں ان سے بحمد اللہ ہم لوگ پہلے سے متنبہ ہیں ضرورت ہے کہ انتظام عمل کے ساتھ ہر کام کیا جاوے۔

(۱۰)

ہجرت کے متعلق مولوی ثناء اللہ صاحب کے استفسار

کا مولانا عبدالباری صاحب کی طرف سے جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

مکرمی جناب مولانا ثناء اللہ صاحب، السلام علیکم

نصوص سے جس قدر اقسام ہجرت مجھے معلوم ہوئے تھے ان کو یک جا کر دیا گیا تھا ان میں وہ بھی داخل ہے جس کو جناب نے تحریر کیا ہے جناب نے جس آیت کو لکھا ہے اس میں ظلم کا لفظ ہے اور ظلم وکفر وشرک ومعصیت مقابل عدل کے قرآن شریف میں مستعمل ہیں اس آیت سے فرضیت ہجرت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے اور لاچاروں کو دعائے نجات مانگنا اتقار مسلمین کا ثبوت ہوتا ہے ہم لوگ ہندوستان سے ہجرت کو فرض عین نہیں سمجھتے ہیں بلکہ فرض دفاع کے حصول میں جن لوگوں کو مؤید ہو ان کے واسطے مستحب سمجھتے ہیں ورنہ سرحد پار ہو جانا اور اعداء سے بعید رہنا ہر موقع پر مفید مقصود نہیں ہے فقط[۱]

(۱۱)

مسئلہ ہجرت اور اس کے متعلقات

مکرمی دام مجدہم۔ السلام علیکم۔

آپ کے اخبار میں مسئلہ ہجرت کے ذیل میں ہندوستان کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کے متعلق کسی صاحب نے اپنی رائے تحریر فرمائی ہے کہ دار حرب ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اور راقم مکرم مولنا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے استنباط کیا گیا ہے۔

ان مسائل شرعیہ میں اس وقت اختلافات کا چھیڑنا دانشمندی کے خلاف ہے اسی لیے بلا ضرورت اس تحریر کے بلکہ اس قسم کی تمام تحریروں کے جواب سے سکوت کو بہتر سمجھتا ہوں۔

البتہ ازالۂ غلط فہمی کے لیے اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان کا دار اسلام یا دار حرب ہو جانا مختلف فیہ ہے حضرت شاہ صاحب نے ہندوستان کو دار حرب قرار دیا ہے اور راقم مکرم کی رائے میں یہ ملک دار اسلام ہے اس رائے کی تصریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ہندوستان نہ تو امام اعظم کے قول کے رو سے دار حرب ہے اور نہ صاحبین ہی کا قول اس کے دار حرب ہونے کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مولانا عبدالحی استیلاء غیر مسلم کو قبول کرتے ہیں اور ہندوستان کو دار اسلام قرار دے کر فرض کیے لیتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے

---

[۱] منقول از ہمدم، لکھنؤ۔ ۱۴ر مئی ۱۹۲۰ء مطابق ۲۳ر شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ یوم پنجشنبہ جلد ۵ نمبر ۱۰۷

[۲] منقول از روزنامہ زمیندار، لاہور۔ ۲۵ر شعبان المعظم ۱۳۳۸ ہجری مطابق ۱۵ر مئی ۱۹۲۰ء یوم شنبہ جلد ۷ نمبر ۱۲۱

یہاں آسانیاں پیدا ہوگئیں سوال صرف اس قدر ہے کہ آیا یہ ملک اسلامیوں کے ملک سے نکل گیا ہے یا نہیں اور محض قبضہ کی بنا پر غیر مسلموں کی ملک ہو گیا ہے یا نہیں۔

ہم لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ ہندوستان دار اسلام ہے ہماری ملک سے نہیں نکلا البتہ قبضہ غیر مسلم کا ہے ہمارا فرض ہے اپنی ملک پر دوبارہ قابض ہو جائیں اور ایسی صورت میں ہمارا قیام یہاں جائز ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم ہجرت کی فرضیت کے قائل نہیں البتہ ہجرت کو مستحب سمجھتے ہیں مگر یہ استحباب ان لوگوں کے لیئے نہیں ہے جن کے ہجرت کرنے سے ہندوستان میں اسلام کو ضرر پہنچے اور اعدائے دین کے لیے ان کے نقل وطن سے آسانیاں پیدا ہو جائیں ایسے لوگوں کا ہجرت نہ کرنا ہی افضل ہے باقی جس قدر حضرات ہجرت کر کے اسلام کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں ان کو لازم ہے کہ ہجرت کریں اور اسلام کو فائدہ پہنچائیں غرض عمل ہجرت اس وقت مقصود بالذات نہیں بلکہ دفاع غیر مسلم اور تحفظ ناموس اسلام مقاصد اصلیہ ہیں یہ مقاصد خواہ ہجرت سے حاصل ہوں خواہ کسی اور عمل سے واجب التحصیل اور لازم التکمیل ہیں۔

مجھے اپنے وعدے کے مطابق جو میں نے فہیم و ہوش مند لوگوں سے کر لیا ہے آخر آن یاس تک ان کے مشورہ پر عمل کرنا ہے پھر یا شہادت ہوگی یا حصول مقصود ہوگا یا محل ہجرت کی جا سکتی ہے علمائے صوبہ متحدہ کے جلسہ میں جو تقریریں میں نے اس بارہ میں کی تھی تقریبًا ارسال کرتا ہوں۔

مجھے تمام فرائض دفاع کا انجام دینا اسی وقت سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مگر جن فرائض کی انجام دہی میں اجتماع کی شرط ہے انہیں تنہا ادا کرنا قضیۂ عقل ونقل کے موافق نہیں۔

آخر آن یاس سے میری یہ مراد ہے جب اسلام میں قوت مدافعت نہ رہے یعنی مصطفیٰ کمال پاشا اور آن کے رفقا کی قوت فنا ہو جائے تو اُس وقت مرنا یا بے غیرتی سے جینا باقی رہجائے گا اُس وقت ہمارا فرض ہوگا کہ جس طرح بھی بن پڑے ان کی قوت مدافعت کو زندہ کریں لوگوں میں جوش پیدا کریں جو بن پڑے کریں قتل وغارت پر اتر آئیں لوٹ مار مچائیں قطع تعلق سے کام لیں سودیشی کی تحریک میں حصہ لیں ہجرت کر جائیں لے چلنے کے اسباب پیدا کریں غرض یہ تمام باتیں اس حالت یاس میں ہمارے لیے واجب ہو جائیں گی۔

میں عقلا اور تجربہ کار حضرات کی رائے پر کاربند ہوں اگرچہ مجھے کوئی امر منتظر نہیں معلوم ہوتا ترکی تمام ہو گئی سلطان المعظم قید ہیں قسطنطنیہ سے نکلے ہوئے زمانہ ہوا اب کیا ہے جس کا انتظار کیا جائے ہاں ایک آس ہے جو مصطفیٰ کمال پاشا وغیرہ کے ساتھ ہے۔

ایک اور امر جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ عنقریب یہ خبر آنے والی ہے کہ خلیفۃ المسلمین یا تو شہید کر دیئے گئے ہیں یا از خود معزول ہو گئے یا اس قابل نہ رہے اور نہ اس بات کی توقع ہے کہ از سر نو اپنے اقتدار کو حاصل کر سکیں اس وقت مجھے اندیشہ ہے کہ نا اہلوں سے خلافت کا دعویٰ کرایا جائے گا۔ دل گواہی دے رہا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا آل عثمان کے شہزادے کو یا تو باضابطہ طور پر مسند خلافت پر بٹھا چکے ہیں یا بٹھانے والے ہیں اس کی بھی ضرور مخالفت کی جائے گی یہ امر میرے لیے بہت ہی سوہان روح ہو رہا ہے۔

میں امیر امان اللہ خان فرمانروائے کابل کو دل سے محبوب رکھتا ہوں مگر حق اسلام جس طرح حق شریف حسین پاشا پر غالب آ گیا جن سے میرا بہت گہرا رابطہ ووداد تھا یہاں بھی غالب ہو گا اس لیے کہ جب تک سلطان المعظم اسیر ہیں یا نظر بند ہیں ان کے چھڑانے میں کوئی دقیقہ جدوجہد کا دنیائے اسلام کو اٹھا نہ رکھنا چاہیے مع ہذا اگر اس وقت آل عثمان میں سے کوئی اور آزاد اور کامل الاختیار خلیفہ مقرر ہو چکا ہے تو پھر کسی دوسرے امیدوار خلافت کو توقع نہیں کہ اپنی خلافت ثابت کرا سکے عثمانی خلیفہ کے مقابلہ میں اس کا دفعیہ اگرچہ منجر بقتل و قتال کیوں نہ ہو لازمی ہے۔

اس وقت اگر خلافت آل عثمان سے نکلی تو طوائف الملوکی کا بازار گرم ہو جائے گا مولائے مغرب سب سے اقدم دعویدار خلافت ہے۔

شیخ سنوسی، شریف مکہ، امام یمن، امیر نجد سب شرفائے قریش ہیں اور انہیں بھی خلافت کی تمنا ہو سکتی ہے امیر فیصل اور امیر عبداللہ شام و عراق میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اندیشہ ہے کہ امیر امان اللہ خاں کو سبز باغ دکھایا گیا ہے اور ان کی طاقت بھی سب سے زیادہ ہے۔

قول فیصل یہ ہے کہ جب تک سلاطین آل عثمان میں سے آمادہ خلیفہ مل سکے امت اسلامیہ کا اجماع کسی دوسرے کی خلافت پر نہیں ہو سکتا میں نے شریف عبداللہ کے بیان کی تردید کر دی ہے مگر امیر امان اللہ خان غازی کی طرف سے کھٹکا لگا ہوا ہے امید ہے کہ آپ نے بھی اس کا کوئی حل سوچا ہو گا اس سے مطلع فرمایئے زمیندار کے لیے اس قدر عرض ہے۔

ولآخرۃ خیر لک من الاولیٰ ۔ والسلام

فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ
فرنگی محل لکھنؤ ۱۴ شعبان ۱۳۳۸ھ

(۱۲)

مسئلہ ہجرت اور مولانا عبدالباری صاحب

مکرمی دام مجدہم۔ السلام علیکم

اس وقت ہم لوگوں کو نہایت حزم و احتیاط سے حالت حاضرہ پر رائے قائم کرنا ہے اس کے باعث جلسہ طلب کیا جاتا تجویز ہوا ہے اور انتظام کیا جا رہا ہے ان اہم واقعات کے رونما ہونے کے بعد شخصیات کی جانب التفات کم کر دینا لازم ہے اخباروں کے مضامین موافق و مخالف ہیں ان سے تعرض بے وقت ہے مگر لاچاری سے یہ امر فوراً شائع کرنا ضروری ہے کہ میرے خطوط دیر میں اور برے طریقہ سے بند کیے ہوئے ملتے ہیں ظن غالب ہے کہ سنسر ہوتے ہیں کیا اچھا ہو کہ مسلمان آزادی سے اپنے خیالات میرے نام خطوط میں نہ ظاہر کریں کیونکہ اس سے فضول نقصان کا اندیشہ ہے۔

گذشتہ چند روز کے اندر جو خطوط میرے پاس آئے ہیں اُن میں سے کچھ خطوط سب و شتم کے ہیں اور بعض متضاد آئین رکھتے ہیں مثلاً ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تم نے ہجرت کا فتویٰ اس واسطے دیا ہے کہ خود کابل چلے جاؤ اور ہم سب کو مصائب میں چھوڑ دو ہرگز تم کو ہجرت نہ کرنی چاہیے دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ تم نے کلکتہ میں کہا تھا کہ یہ ملک دارالحرب ہے اور میں اول شخص ہوں کہ ہجرت کر جاؤں گا اس وعدہ کے مطابق جلد ہجرت کر دیہ مطالبات تو بالکل صحیح ہیں مگر بعض ایسے تحریکات کا ذکر جو امکان سے باہر ہیں نہایت خطرناک ہے خصوصاً کاتب کے لیے اس واسطے مجھے صاف عرض کرنا ہے کہ خطوط میں سمجھ کر مضامین لکھے جائیں اور خطرناک امور لکھ کر پتہ و نشان بھی بتا دینا دانشمندی سے بعید ہے۔

میں نے جو کچھ کیا اور کہا وہ خدا کے احکام تھے ان پر کاربند ہوں اور رہوں گا۔ میں ہندوستان کو اصطلاحاً دارالاسلام سمجھتا ہوں اگرچہ حکومت کو ذمی یا معاہد نہیں سمجھتا بلکہ متسلط

۱۲۔ منقول از ہمدم، لکھنؤ۔ ۲۳ مئی ۱۹۲۰ء مطابق ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ یوم یکشنبہ، جلد ۵ نمبر ۱۱۶

سمجھتا ہوں ایسی صورت میں بظاہر دارحرب کے احکام جاری ہوتے ہیں بصورت لاچاری میں نے ہندوستان سے نکل جانے کا ارادہ مصمم کرلیا تھا جیسا کہ کلکتہ میں ظاہر کیا تھا مگر معتمدین نے مجھے باز رکھا میرے نزدیک یہاں سے ہجرت فرض عین نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے بلکہ فرض دفاع کی تکمیل کے لیے کی جاسکتی ہے اس واسطے ان لوگوں کو جو ہجرت کرنا چاہتے ہیں روکنے کا حق نہیں اور جو نہیں کرتے ان پر خدا نے جبر نہیں کیا ہے میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر اپنے مشیروں کی رائے کے باعث اس کو فسخ کیا اگرچہ ہجرت میں مجھے زیادہ سہولت ہے بہ نسبت قیام ہند کے میں کشت وخون کو خصوصاً مجتمع حملہ کی صورت میں غیر مفید سمجھتا ہوں سوائے اس کے ہر طریقہ سے دفاع کو فائدہ بخش جانتا ہوں۔

مجھے بدظن نہ کیجیے ابھی تک خدا کے فضل سے میرا قلب قوی ہے نہ کوئی رائے بدلی ہے نہ کسی سے متاثر ہوا ہوں واقعی حالت یہ ہے کہ احکام آلہیہ کا پابند ہوں، ان سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

میں تمام امور میں ابھی کوئی صاف بیان بھی نہیں دے سکتا۔ جب تک جلسۂ مشورت نہ ہو جائے میں نے انفرادی فرض تبلیغ انجام دے دیا ہے اب جو فرائض ہیں ان میں اجتماع کے اور اسباب مہیا ہونے کی ضرورت ہے اور اہل الرائے سیاست دان حضرات کی امید دلانے کی حاجت ہے کہ کون صورت موصل مطلوب ہے اس واسطے اب میں ان کی مشورت کا پابند ہوں اور میرے لیے یہی حکم الٰہی ہے فقط

(۱۳)

سودیشی، عدم تعاون اور ہجرت

مولانا عبدالباری صاحب کا اعلان

(زمیندار کے نام خاص تار)

لکھنؤ ۷ ارجون چند شریر آدمیوں اور اسلام کے دشمنوں نے پچھلے دنوں ایک اشتہار شایع کرنے کی سازش کی تھی جس میں میری اور دیگر خادمان اسلام کی طرف سے چند اعلانات کیے گئے تھے ان اعلانات سے ہمیں مطلق کوئی تعلق نہیں اور اگرچہ سازش کا انکشاف کلی طور

پر ہو چکا ہے لیکن تاہم اندیشہ ہے کہ عامۃ الناس دھوکہ نہ کھائیں۔ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جو فیصلے الہ آباد کے گزشتہ جلسہ میں علمائے کرام کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کیے گئے ہیں ان کا اعلان کر دوں کیونکہ میرا آئندہ نظام عمل انہی فیصلوں پر مبنی ہوگا۔

(۱) سودیشی تحریک کی اشاعت مذہبی نقطۂ خیال سے لازمی ولابدی قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے دشمنان اسلام کو سخت اقتصادی نقصان پہنچے گا۔

(۲) خلافت کمیٹی کے ہدایات کے ماتحت تحریک عدم تعاون کو ترقی دی جائے گی۔

(۳) اگرچہ ہجرت فرض عین نہیں ہے لیکن آخری تدبیر کے طور پر اسے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے ان امور کے علاوہ فی الحال اور کسی تحریک کو ہماری طرف سے نہ سمجھا جائے۔

(عبدالباری۔ فرنگی محل، لکھنؤ)

۱۴

علمائے اسلام جواب دیں

علاوہ اس کے مسئلہ ہجرت ہے کہ اس کو میں مستحب سمجھتا ہوں سوائے ان لوگوں کے لیے جو اس ملک میں زیادہ خدمت دین انجام دے سکتے ہیں اور احکام شریعت پر عمل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اس میں بھی اگر افراط و تفریط ہو تو اس سے آگاہ کیا جاؤں۔

۱۵

ہجرت پر احکام شرعی

ذیل میں ہم جناب مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی اور مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی دو نہایت اہم تحریریں ایک ساتھ درج کرتے ہیں۔

جناب مولانا عبدالباری صاحب کا مضمون دو ٹکڑوں سے مرکب ہے جن میں ایک قریباً دو ماہ پہلے اور دوسرا کوئی دو ہفتہ قبل ہم کو بھیجا گیا تھا۔ افسوس کہ طوالت کے باعث ہمیں اب تک ان کی اشاعت کا موقع نہ ملا۔ دوسرے اس اثنا میں مسلمانان ہند کی مسلسل چیخ پکار

---

۱۴ - نقل جز، تحریر حضرت مولانا محمد عبدالباری صاحب از اخبار کانگریس، ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء

۱۵ - منقول از ہمدم، لکھنؤ۔ ۳ اگست ۱۹۲۰ء مطابق ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۳۸ ہجری یوم سہ شنبہ، جلد ۵ نمبر ۱۷۴

اور ہندوستانی وفد خلافت کی سرگرم جدوجہد سے ترکی شرائط صلح میں اہل اسلام کے جذبات کے موافق ترمیم ہونے کی امید بھی بندھی رہی۔ لیکن وہ امید جہاں تک اتحادی دول عظمیٰ کی نیت اور ارادوں کا تعلق ہے قریب قریب شکست ہو چکی ہے اور اہل اسلام پر ان کی مذہبی پابندیاں عائد ہونے لگی ہیں جن کے بابت جناب مولانا ابوالکلام صاحب آزاد ایڈیٹر الہلال کلکتہ نے بھی عوام کی رہنمائی کے لیے اپنے خیالات ایک چوورقہ میں شائع کیے ہیں اور ایک مستقل رسالہ بھی مضمون ہجرت پر لکھا ہے۔ ہم نے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے چوورقہ میں سے وہ ضروری حصہ اقتباس کر لیا ہے جس میں انہوں نے حالات موجودہ میں ہجرت کو اہل اسلام کے لیے ضروری ٹھہرایا ہے۔ بہر حال مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا ابوالکلام صاحب کی وہ تحریریں حسب ذیل ہیں[1]

مضمون مولانا عبدالباری صاحب

مکرمی دام مجدہ، السلام علیکم

اس عرصہ میں کثیر التعداد خطوط میرے نام آئے ہیں جن میں تین مسئلوں کے متعلق دریافت حکم کیا گیا ہے اس واسطے بذریعۂ اخبار ہمدم مختصراً عرض ہے کہ میں جو حکم خدا سمجھتا ہوں وہ بتائے دیتا ہوں۔ پہلا مسئلہ ہجرت کا ہے، دوسرا ج کا، تیسرا نان کوآپریشن کا۔

(۱) ہجرت کے بارے میں مفصل ایک تحریر آپ کے نام لکھ چکا ہوں اگر مناسب ہو تو اس کو طبع کر دیجیے[2]

اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ ہجرت اس وقت ہندوستان سے فرض عین نہیں ہے اور نہ میں نے کبھی ایسا کہا ہے۔ کلکتہ میں اپنے ہجرت کا ارادہ اس شرط پر کیا تھا جب کہ انفصال دار حرب اصلی سے کلیتہً اس ملک کا ہو جائے باوجود اس کے کہ صلح کانفرنس کا تصفیہ احکام اسلامیہ کے خلاف ہے مگر عرب کی آزادی کے باعث انفصال مذکور نہیں ہوا ہے اس واسطے فرضیت کا حکم میں نہیں دے سکتا ہوں۔ نہ خلاف رائے اہل مشورت خود ہجرت کر سکتا ہوں اور اس کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے کہ بلا فائدہ کچھ کیا جائے۔ علما نے بھی ہجرت کو فرض عین نہیں بتایا ہے۔

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ وہی تحریر ہے جو "اعلان" کے عنوان سے الگ شائع کی جا رہی ہے۔ اس رسالہ ہجرت کے فاضل مرتب شاہد علی نے مولانا آزاد کے بعض خیالات سے اختلاف کی وجہ سے رسالہ کی ترتیب سے اسے خارج کر دیا تھا۔ (ابوسلمان شاہجہانپوری)

[2] اس تحریر کے اہم اقتباسات آگے دیے جاتے ہیں (مدیر ہمدم)

یہ ہجرت حقوق عباد کے ہوتے ہوئے صحیح نہیں ہے۔ والدین کی مرضی کے خلاف ہجرت نہیں جائز ہے۔ اس ہجرت کا حکم یہ نہیں ہے کہ کبھی پھر واپس آنا درست نہ ہو، بلکہ وطن واپس آنا بھی جائز ہے۔ اس ہجرت کا خواہ مخواہ مقصد یہ نہیں ہے کہ کوئی خطرہ ہندوستان پر ہو بلکہ یہ ہجرت دار معصیت سے دار عدل کے جانب ہے جس کا مقصود ظاہری یہ ہے کہ اپنے اعمال درست کرے جو یہاں نہ کر سکتا ہو اور اپنی بنی نوع کو فائدہ پہنچائے اور خدا کی عبادت اور احکام اسلامیہ کی پیروی پورے طور پر کر سکے اس کے علاوہ جو مقصد ہو مہاجرین کی نیت پر ہے (انما الاعمال بالنیات) (یہاں سے مولانا کی پہلی تحریر کا ضروری حصہ دیا جاتا ہے) میں ہندوستان کو اصلاً دار اسلام سمجھتا ہوں مجموعہ فتاویٰ حضرت اخی المعظم مولانا عبدالحی رحمتہ اللہ علیہ کی جلد ثانی میں ہے استفتا ہندوستان جہاں تک عمل داری انگریزوں کی ہے دار الحرب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو صرف مطابق مذہب صاحبین کے یا بر طریق مذہب ابو حنیفہ کے بھی بینوا و توجروا۔ ہو المصوب۔ ہندوستان دار الحرب نہیں ہے بلکہ دار اسلام ہے چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے (اس کے بعد عبارات فقہ لکھی ہیں) ان عبارات سے اور ان کی امثال سے واضح ہے کہ دار حرب ہونے میں دار اسلام کی شرط یہ ہے کہ احکام کفر علی سبیل الاشتہاد جاری ہوں اور احکام اسلام بالکلیہ موقوف کر دیے جائیں اور شعائر اسلام و ضروریات دین میں کفار مداخلت کرنے لگیں اور یہ شرط اتفاقی ہے اور امام ابو حنیفہ نے اس کے سوا اور بھی دو شرطیں زائد کی ہیں ایک یہ کہ اس بلدہ میں اور دار الحرب میں کوئی بلدہ مملکت اہل اسلام کا باقی نہ رہے دوسری یہ کہ امان اول مرتفع ہو جائے اور یہ امان کفار کی بہ اقامت کی آئے اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے۔ اس وجہ سے کہ شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت و ممانعت نہیں ہے اور اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور احکام خلاف اسلام جاری کرتے ہیں مگر بہت سے القیاد فتاویٰ اہل اسلام کا بھی کرتے ہیں اور موافق شرع فیصلہ کرتے ہیں پس یہ بلاد دار الحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امام نہ بمذہب صاحبین واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ اسی جلد میں اسی مضمون کا بعبارت عربی فتویٰ ہے۔ ما تقولون فی املاک الانجریزاھی دار الحرب ام لاھو المصوب الصحیح انہ دار الاسلام ولم تصل دار الحرب الان کما یظھر من ھذہ العبارات ۔۔۔۔۔۔ (اس کے بعد عبارات فقہیہ ذکر

فرماتے ہیں) اگرچہ حکومت (یعنی سلطنت انگریزی) کو ذمی (رعایا ئے اہل اسلام) یا معاہد (خواہ بعہد ذمہ ہو یا بعہد استیمان جس کے وہ بھی معترف نہیں ہیں) نہیں سمجھتا ہوں بلکہ متسلط سمجھتا ہوں (کیونکہ اپنی طاقت سے انہوں نے استیلاء کر لیا ہے) ایسی صورت (استیلاء تسلط) میں بظاہر (بوجہ انگریزوں کے احکام جاری ہونے کے) دار الحرب کے احکام جاری ہوتے ہیں (جیسا کہ بحر کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے قلت فی زماننا بعد فتنۃ التتر صارت ھذہ الولایات التی غلبوا علیھا واجروا احکامھم فیھا کخوارزم وما وراء النھر وخراسان ونحوھا صارت دار الحرب فی الظاھر) یہ فقہائے حنفیہ کی عبارتیں ہیں مولانا صدیق حسن خان صاحب اپنے رسالہ........میں لکھتے ہیں (سوال سی ودوم۔ در بلاد ہندوستان کہ حربیان برطانیہ وغیرہ مثلاً برآن قابض شدہ اند و مالک گردیدہ الی آخرہ۔ جواب این سوال محتوی بر چند حکم است یکے حکم بلدہ کہ کفار برآن مستولی شدہ اند وآن بلدہ از بلاد اسلام بود ابن حجر مکی در تحفۃ المنھاج وغیرہ گفتہ کہ این بلدہ باقی بر حکم خود است در صورت دار الحرب و در حکم دار الاسلام لقولہ علیہ السلام الاسلام یعلو ولا یعلیٰ ولقولہ تعالیٰ ان الارض للہ یورثھا من یشاء وچون این شہر دار الاسلام است استنقاذ آن از ایدی کفار بمناصفہ ومحاصرہ و تضییق بر کفرہ بہر ممکن فرض وحق باشد الی آخرہ (لقدر حاجت) ہجرت کے فرض عین ہونے کی صورت وہی ہے کہ جب امور دین کو ہم ادا نہ کر سکیں بخاری کی حدیث ہے:

لا ھجرۃ بعد الفتح ولکن جھاد ونیۃ واذا استنفرتم فانفروا اور عینی لکھتے ہیں۔ قال الطیبی کلمۃ لکن تقتضی مخالفۃ ما بعدھا لما قبلھا ای المفارقۃ عن الاوطان المسماۃ بالھجرۃ المطلقۃ انقطعت لکن المفارقۃ بسبب الجھاد باقیۃ مدی الدھر وکذا المفارقۃ بسبب نیۃ خالصۃ للہ عزوجل کطلب العلم والفرار لدینہ انتھی اور عسقلانی تحت حدیث بخاری (کان المومنون یفر احدھم بدینہ الی اللہ ورسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد اظھر اللہ الاسلام و الیوم یعبد ربہ حیث شاء ولکن جھاد ونیۃ) کے لکھتے ہیں اشارت عائشۃ الی بیان شرعیۃ الھجرۃ وان سببھا خوف الفتنۃ والحکم یدور مع علتہ فمقتضاہ ان من قدر علی عبادۃ اللہ فی ای موضع اتفق لم تجب علیہ الھجرۃ منہ والا وجبت ومن ثم قال الماوردی اذا قدر علی اظھار الدین فی بلد من بلاد الکفر فقد صارت البلد بہ دار

الاسلام فالاقامة فیہا افضل من الرحلة منہا لما یترجی من دخول غیرہ فی الاسلام۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ ہندوستان کے دار حرب ہونے کے قائل ہیں اس پر بھی ہجرت کو واجب نہیں بتاتے ہیں اس واسطے اُن لوگوں کو جو ہجرت کرنا چاہتے ہیں (ایسی حالت میں جب کہ دفاع یا ہر جاکر زائد متوقع ہو یا وہ یقین خواہ ظن غالب سے سمجھتے ہیں کہ ان کے امور دین میں خلل پڑ گیا ہے تو فرضاً وہ ہجرت کر رہے ہیں ورنہ استحباباً ہجرت ہوگی ہر حالت میں) روکنے کا حق نہیں ہے جو نہیں کرتے (خصوصاً ان کو ظن غالب ہے کہ فرض دفاع بقدر وسعت یہاں سے زائد انجام پائے گا یا امور دین انجام دے سکتے ہیں) آن پر خدا نے جبر نہیں کیا ہے (فرض یا واجب نہیں ہے) میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا (وہ بھی مشروط مگر اپنے مشیروں کی رائے کے باعث اُس کو فسخ کر دیا (کیونکہ فرض نہیں تھی) اگرچہ ہجرت میں مجھے زیادہ سہولت ہے بہ نسبت قیام ہند کے (خصوصاً حضرت مدینہ علی صاحبہا الف الف الصلوٰۃ والسلام میں) کشت و خون کو خصوصاً مجتمع حملہ کی صورت میں جیسا کہ لشکر کرتا ہے) غیر مفید سمجھتا ہوں (کیونکہ اس کے اسباب مجتمع نہیں اگرچہ قادرین پر فرض ہے غیر قادرین پر فرض نہیں بدسگالی کی غرض سے کر سکتے ہیں اس کا ضرر ہوگا) سوائے اس کے ہر طریقہ سے دفاع کو فائدہ بخش جانتا ہوں خواہ وہ گاندھی صاحب کے مشورہ کے موافق ہو تو دیگر صورتوں سے جو جس سے بن پڑ سکتا ہے وہ کرے اُس پر وہی فرض ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ نماز قیام قعود رکوع سجود سے ہو یا صرف قعود یا اضطجاع سے حرکت سے یا اشارہ سے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہر شخص ہر طریقہ سے نماز پڑھے بلکہ اپنی قدرت دیکھ لے حسن ظن کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو بیٹھے یا لیٹے یا اشارہ سے پڑھتا دیکھے تو اس کو معذور سمجھے نہ یہ کہ اس کی نیت پر اس کے فعل پر حملہ کرے اگر عالم فقیر ہو تو اس کا فرض صرف یہ ہے کہ غنی سے کہے کہ تم پر زکوٰۃ فرض ہے باوجود اس کے اگر ایک پہلو تہی کرے تو دوسرا بری الذمہ نہیں ہو سکتا

فقیر محمد عبدالباری[1]

---

[1] یہاں مولانا کی سابق تحریر کے اقتباسات ختم ہوتے (ایڈیٹر ہمدم) اسی مقام پر ایک نوٹ میں رسالہ کے جامع شاہد علی نے لکھا تھا، "اس کے بعد مولوی ابوالکلام آزاد صاحب کا مضمون ہمدم میں تھا، جو چھوڑ دیا گیا"۔ لیکن اب مذکورہ مضمون کو اس کی اہمیت کے پیش نظر اس مجموعہ کے آخر میں شامل کر لیا گیا ہے (ابوسلمان شاہجہانپوری)

(۱۶)

مسئلہ ہجرت

مولانا عبدالباری صاحب کا برقی پیغام

لکھنؤ ۳۱ر جولائی میں نے ہر مسلمان کو ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا نہ کابل کے حالات ہی اجازت دیتے ہیں کہ بغیر کامل غور وخوض کے ہجرت کی جائے مجھے ابھی ہجرت کی فرضیت کا یقین نہیں لہذا حقوق و فرائض کی بجا آوری اور والدین کی اجازت لازمی ہے۔

(۱۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکرمی دام مجدہ! السلام علیکم

دربارۂ ہجرت میری اور مولانا محمود حسن صاحب و دیگر علمائے کرام کی ایک ہی رائے ہے کہ بالفعل ہجرت فرض عین نہیں ہے اور حقوق مفروضہ مقدم ہیں۔ بدوں اجازت والدین ہجرت نہ کرنا چاہیے۔ مولانا ابوالکلام صاحب سے زبانی جو گفتگو ہوئی تھی اُس سے میں اپنا موافق سمجھتا تھا۔ جو تحریر اُن کی شائع ہوئی ہے اور جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے اُس کے دیکھنے سے لفظی اختلاف کا پتہ چلتا ہے اگرچہ ہم فرض عین نہ ہوسکنے کے اور وہ وجوب کے قائل ہیں مگر وجوب میں استثناء وہ بھی کرتے ہیں اور ہم بھی اس صورت میں جب کہ ہجرت کسی فرض کی ادائی کا مقدمہ ہو تو اس کو ہم بھی فرض سمجھتے ہیں خصوصاً اُس شخص کے لیے جو ہندوستان میں اپنا فرض انجام نہ دے سکتا ہو۔ ہم بھی دفاع و جہاد کے افراد سے ترک موالات کو ضروری سمجھتے ہیں اور وہ بھی ترک موالات کو مسلمانان ہندوستان کے لیے لازم بتاتے ہیں۔ لہذا بغیر سمجھے بوجھے ہجرت کا ارادہ نہ کرنا چاہیے خدا کے احکام واضح ہیں اور جس طرح اقیموا الصلواۃ واٰتوا الزکوۃ ہے اسی طرح وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ وارد ہوا ہے اور جس طرح اوقات صلواۃ و احکام نماز مجمل ہیں اور ان میں اختلاف آرا ہے اسی طرح جہاد و دفاع و ہجرت ہے کہ اُس کی تفاصیل احادیث و اقوال صحابہ و فقہاء امت سے معلوم ہوتے

ہیں حکم ہجرت میں میرا بیان واضح ہے چاہے کوئی اس کو خلاف رائے ہونے کے باعث واضح نہ کہے میرا مقصود یہ ہے کہ ہجرت کوئی مطلوب بالذات عمل نہیں ہے بلکہ حُبّ الوطن من الایمان مشہور ہے ترک وطن کا کسی غرض سے ہونا چاہیے اور اس غرض سے حکم بھی بدلتا ہے اگر غرض فرض ہے تو ہجرت بھی فرض ہے اگر غرض سب کو شامل ہے تو ہجرت بھی عام ہے اور فرض عین ہے اور غرض عام نہیں ہے تو ہجرت بھی واجب ہر شخص پر نہیں ہے۔ اگر غرض مستحب ہے تو ہجرت بھی مستحب ہے۔ ہندوستان سے مطلقاً ہجرت کر جانے کو میں اسلام کی کمزوری کا باعث سمجھتا ہوں اس واسطے نہ تمام لوگوں پر ہجرت میں فرض سمجھتا ہوں نہ کل کو یہ نیت کرنا کہ ہجرت کر جاؤں گا مزدوری سمجھتا ہوں بلکہ اپنے قیام کو بہ نیت تقویت اسلام لازمی سمجھتا ہوں جب تک کہ یہ ملک دار حرب نہ ہو جائے اسی بنا پر میں نے کلکتہ کی تقریر میں ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر بعد مشورت اس ارادہ کو بالفعل ملتوی کیا ہے۔ مجھے اس میں بھی تامل ہے کہ جب واجب سب پر ہے تو سوائے اس شخص کے جو راہ نہ جانتا ہو زاد راہ نہ رکھتا ہو سب کو ہجرت کرنا چاہیے اگر چہ فوراً فرض نہیں ہے تاہم قبل ہجرت کے وہ مر جاوے گا تو گنہگار ہوگا۔ واجب کہنے کے بعد بہت سے استثنا کی گنجائش نہیں ہے زمانہ سعادت اقتران میں ایک ضعیف مالدار نے یہ کہہ کر ہجرت کی تھی کہ زاد راہ پر مجھے قدرت حاصل ہے لیکن اتفاق سے راستہ میں مر گیا اس واسطے واجب اختیاری کہنا یا فائدہ بخش حضرات کو مستثنا کرنا میرے علم میں نہیں ہے نہ بیعت ہجرت کا دار العزار میں مسنون ہونا میری نظر سے گذرا ہے البتہ دار ہجرت میں جو بقصد ہجرت آئے تو اس سے بیعت لینا ثابت ہوتا ہے ہر شخص پر وہ بھی لازمی نہیں ہے۔

(۱۸)

مسئلہ ہجرت پر مولانا عبدالباری صاحب کے خیالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

مکرمی دام مجدہ! السلام علیکم۔

۱۸۔ منقول از ہمدم، لکھنؤ۔ ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء یوم چہار شنبہ

نقاد صاحب کا مضمون ہجرت کے بارہ میں میں نے دیکھا اس میں میرا جو تذکرہ ہے اس کو تو میں ایک معمولی شے سمجھتا ہوں اور اس طرف اعتنا کرنا ہی چھوڑ دیا ہے مگر محرکین ہجرت پر عموماً اور مولوی ظفر علی خان صاحب پر خصوصاً موجودہ حالت ہجرت پر الزام دیا گیا ہے چونکہ حکم ہجرت ایسے مضامین سے مشتبہ ہو رہا ہے اس واسطے مجھے اس مضمون سے تعرض کرنا پڑا اگرچہ خانگی افکار کے باعث دل مطمئن نہیں ہے۔ مسئلہ ہجرت کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے بعض احباب اس کو جمع کر کے شائع کرنے والے ہیں جس سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ مجھ پر اس ہجرت کی ذمہ داری کس حد تک ہے میں نہ ہجرت کو فرض عین سمجھتا ہوں نہ منسوخ بلکہ جس غرض سے ہجرت کی جاوے ویسا حکم اس کے لیے ہے اس کی نیت اگر بخیر ہے تو ایسی صورت میں مجھے ان کے عمل پر کسی قسم کا اعتراض مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

میں نے جس قدر امور سنے ہیں ان میں سے ایک الزام میرے اوپر ہے اور باقی مشترک ہیں اس واسطے پہلے اسی کو ظاہر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے صاف مسئلہ ظاہر نہیں کیا اور ہجرت کو فرض یا واجب نہیں کہا میں کہتا ہوں کہ مسئلہ بھی وہی ہے جو میں نے لکھا ہجرت میں تفصیل ہے کوئی ایک حکم نہیں ہے جو شخص اس کو واجب علی العین کہے یہ اس کی رائے ہے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے اس کی سند مجھے نہیں ملی ہے مجھے اپنے مسلک پر یقین ہے اس واسطے میں نے حکم الٰہی ظاہر کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا ہے مجھے واجب کہنے کے بعد کوئی استثناء بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا سوائے اس استثناء کے کہ جو قرآن شریف میں خود ہے وہ اس قدر ہے لَا يَجِدُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا میں واجب علی العین کہنے کے بعد پھر بہت بڑی دشواری سمجھتا ہوں چاہے ہجرت علی العین واجب ہو یا بالتراخی ہر حال میں جو ایسی حالت میں مر جاوے گا سوائے صورت مستثناۃ کردہ گنہگار ترک ہجرت کا ہوگا چاہے فائدہ مند ہو یا اس کے قیام سے ضرر یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے اب جو الزامات مشترک ہیں میں ان کا ذکر کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ اس تحریک کی موجودہ حالت معترفہ پر کس حد تک حق بجانب ہوں یہ مسئلہ خالص شرعی ہے اس واسطے میں عرض کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ میری رائے کے موافق یہ ہجرت نہیں ہوئی پھر بھی میں کوئی سقم شرعی ہجرت میں نہیں پاتا۔ کہا جاتا ہے کہ بغیر انتظام کے ہجرت ہے میں اس کو انفرادی عمل سمجھتا ہوں اس واسطے یہ شرط شرعی نہیں ہے ہجرت منفرداً بھی ہوئی ہے اور مجتمعاً بھی ہوئی ہے انتظام قائم کرنے کے لیے بعض حضرات

کا خیال ہے کہ ہجرت کی بیعت لینا ضروری تھا اور یہ ہی طریقہ مسنون ہے، مجھے اس قول سے بالکل اختلاف ہے میں کہتا ہوں جس کا جی چاہے بیعت کرلے ناجائز بھی نہیں ہے اور سنت بھی نہیں ہے بیعت ہجرت کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ چند ایسے لوگ جو بارادہ ہجرت مدینہ طیبہ میں آئے اور اس وقت ہجرت فرض تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے بیعت لے لی ہے اور جب فرضیت ہجرت منسوخ ہو گئی تو بیعت لینا بھی اس پر ترک کر دیا نہ تو آپ نے مکہ معظمہ میں کسی سے بیعت ہجرت لی نہ قبل فرضیت ہجرت کسی سے بیعت لی۔ اب ہندستان میں بیعت ہجرت لینا دار الفرار میں بیعت لینا ہے جس کا ثبوت مجھے نہیں ملتا، ہاں اگر امیر امان اللہ خان صاحب سے لوگ کابل میں بیعت کرلیں تو مناسب سنت ہو سکتا ہے اگرچہ بوجہ عدم فرضیت کے اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ اس ہجرت کے ذیل میں بہت سے بدنیت ہجرت کر گئے ہیں کہتا ہوں کہ یہ کوئی عجب بات نہیں ہے جب زمان سعادت نبوت میں ایسا ہوا تو پھر اس وقت میں ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے مہاجر ام قیس کی حدیث اکثر کتب حدیث کی شروح میں لکھی جاتی ہے انما لکل امرء ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او امراۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ ...... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محتاج اور لاچار لوگ ہجرت کر گئے جن کا بار اٹھانا کابل والوں کو مشکل ہو گیا میں کہتا ہوں کہ یہ بھی نئی بات نہیں ہے مہاجرین کے فقر اختیاری کا وصف قرآن میں مذکور ہے ارشاد فرمایا ہے وَلِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ الی اخرہ۔ اور کابل کی بے مائگی بھی انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد نہیں ہے يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ اسی امر کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ میں نے یا کسی نے کب کہا ہے کہ ہجرت چاہیے لبغرض دفاع ہو کابل ہی کی طرف کی جاوے۔ میری تحریروں میں تو ہجرت شام وقزوین اور دیگر مقامات کا بھی ذکر ہے میں نے چند اربعینیات حدیث کے جمع کیے ہیں اس میں احادیث خیر الانام فی فضائل الھجرۃ الی الشام ایک اربعین ہے اور دوسری الاربعین فی قزوین ہے اس کو ملاحظہ کرنا چاہیے یہ بھی کوئی الزام کی بات نہیں کہ لوگ ہجرت کر گئے تھے واپس آرہے ہیں اس واسطے کہ ایسا بھی خیر القرون میں ہوا ہے اقلنی بیعتی کی حدیث مشہور ہے پھر بھی عرض ہے کہ اگر وہ لوگ جو بغرض جہاد ہجرت کر گئے تھے اگر انہوں نے اپنا مقصد حاصل ہوتے نہیں دیکھا تو واپس چلے

آئے اس میں کون سا حرج ہوا موجودہ حالت کی ہجرت اور اس غرض سے ایسی نہیں کہ اس میں رجوع الی الوطن ناجائز ہو جس طرح تحصیل علم کی غرض سے جو ہجرت کرے اس کو ترک وطن لازم نہیں بلکہ اس کو تو وطن واپس ہونا ہی ضروری ہے میں اگرچہ انتظام ہجرت کو اس وقت ضروری سمجھتا ہوں اور ابتدا سے محرکین ہجرت کو اس کی طرف توجہ دلا رہا ہوں اور اس وقت کابل کی جانب کثیر التعداد غیر مستطیع لوگوں کی ہجرت کو مناسب نہیں سمجھتا ہوں باوجود اس کے جس طرح ہجرت ہو گئی اس کو بھی خلاف شرع نہیں سمجھتا اور محرکین کو الزام نہیں دیتا ہوں خداوند عالم نے وعدہ فرمایا ہے وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً جس شخص نے خدا کی راہ میں گھر چھوڑا اور ہجرت کی وہ زمین میں محل ہجرت کو پالے گا اور اس کو وسعت ہو گی اس تحریر سے یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ بغیر سمجھے بوجھے ہجرت کر جاویں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس اہم عمل کو ہلکا کرنا چاہتا ہے اس کو تنبیہ ہے اپنے مقصد کو کسی دوسرے طور پر حاصل کرنا زائد اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ مخلصین پر نکتہ چینی کر کے ان کی توہین کی جائے میں اس مشق کے لیے حاضر ہوں مگر محرکین ہجرت جن کے ارادے بالکل درست اور نیت ان کی خالص تھی وہ ملزم نہ ٹھہرائے جائیں۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ جذبۂ مذہبی سے کیا، والسلام فقط۔

فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ

(۱۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامداً و مصلیاً و مسلماً

مکرمی دام مجدہ! السلام علیکم
وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ لفظ تنزیل ہے۔ میں اپنی قصور وخطا کا قائل ہوں یہ لوگوں کا حسن ظن ہے کہ میرے قول پر اعتبار زیادہ کرتے ہیں۔ میری عرض ہے کہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال۔ پر عمل کیا جائے جس کی دیانت پر اعتماد ہو اس کے قول کو مانیے میں خود ایک عامی مقلد ہوں تصریحات علماء کا پابند ہوں اسی وجہ سے میرے مستندات اکثر فقہیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

مگر یہ مسئلہ (ہجرت) ما بہ الامتیاز مقلد وغیر مقلد کا نہیں ہے اور اس میں اختلاف نہ کہیے بلکہ خلاف کہنا چاہیے ایسے ہی مسئلہ دار حرب کا ہے کہ وہ بھی تقلید سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔

غیر مقلد علما بھی ایسے ہیں جو ہندوستان کو دار حرب نہیں قرار دیتے ہیں نواب صدیق حسن خان تحریر فرماتے ہیں۔ "وچون ہندوستان عموما و ریاسات اسلامیہ خصوصاً نزد امام اعظم دار الحرب نیست بناء علی ذلک ہجرت ہم ازینجا واجب نخواہد بود کہ اذ لیس فلیس وہر کہ ہندوستان نزد او دار الحرب ست ہجرت نزد وے واجب باشد اما مع ذلک اخذ ربا از حربی جائز نیست بنا بر ورود نصوص صحیحہ قطعیہ قرآنیہ وحدیثیہ بر حرمت آن و روایات فقہیہ کہ مبنی بر ظن و قیاس است مصادم آن نخواہد بود اینجا معلوم شد کہ نتیجہ اختلاف اہل علم در دار الحرب و دار الاسلام بودن ہندوستان وجوب و عدم وجوب ہجرت است نہ جواز و عدم جواز اخذ ربا از مردم ازانجا بر تقدیر وجوب ہجرت ازین دار حرب بدار اسلام حدیث لا ہجرۃ بعد الفتح را جواب است کہ در حل سوالات مشکلہ ذکر کردہ ایم فراجعہ وفی الحال مختار وفتوی مشاہیر فقہائے حنفیہ ہند مثل علمائے دہلی و رامپور و بھوپال وجز آن ہمیں است کہ مملکت ہند خصوصاً ریاسات اسلامیہ آن دار الاسلام است نہ دار الحرب بعض معاصرین نوشتہ اند لا اخذ بالطان نجعل ھذہ البلاد دار الاسلام وان کانت السلاطین فی الظاھر ھؤلاء الشیاطین واللہ اعلم۔"

اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے استاذ الاساتذہ ایسا فرماتے ہیں کہ ہجرت

بغرض جہاد مفروض ہے تحت آیت شریف وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ۔
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دار الحرب سے باوجود ضرورت جہاد ہجرت نہیں کریں وہ لوگ ایک وجہ سے کفار کے حکم میں ہیں انتہی۔ کل زمانہ اخبار میں ہجرت کے بارہ میں مولانا محمود حسن صاحب کا جواب دیکھا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے موقع و محل کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے اس کو تصفیہ سمجھیے آئندہ یہ سلسلہ بحث میں نہ کروں گا،

الجواب۔ مخدوم و مکرم بندہ جناب خلیفہ صاحب مدفیوضکم۔ احقر محمود تسلیم مسنون کے بعد عرض رسا ہے جناب کا والا نامہ ایسے وقت پہنچا کہ بندہ سہارنپور گنگوہ وغیرہ گیا تھا وہاں سے کل واپس آیا تو جناب کا گرامی نامہ بندہ کو ملا مگر یہ سب جانتے ہیں کہ ہجرت کی فضیلت اور خوبی تو ہر وقت مسلمہ ہے اس پر آشوب حالت میں حالات موجودہ اور آئندہ کا لحاظ کرکے اس میں شک نہیں کہ اس استحباب اور استحسان میں ہر طرف سے تاکید وجوب محسوس ہوتا ہے جو اہل ہمت کے عمل کرنے کے لیے بالکل کافی ہے اب اس میں خواہ مخواہ فرضیت و عدم فرضیت
حتٰی اور منازعت کرنا انہیں لوگوں کا جو حیلہ جو طبائع رکھتے ہیں،

کام ہے اور ایک اور حق کو روکنا چاہتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اہل تحقیق کو چند جوانب ملحوظ رکھنا ضروری ہے اول دار الحرب کہ جس سے ہجرت کریں اس کو غور سے ملاحظہ کرنا دوسرے جس دار الاسلام میں جانا چاہتے ہوں اس کے احوال پر نظر کرنا۔ تیسرے جو ہجرت کریں ان کے حالات کو پیش نظر رکھنا کیونکہ حالات بے حد مختلف ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہ وقت پریشانی کا ہے اور اہل اسلام کی آزمائش کا۔

پس اہل اسلام جان نہ چرائیں۔ اللہ کے واسطے ہجرت کریں یا یہیں رہ کر کسی مفید کام میں سعی کریں۔ اس ضروری وقت کو فضول بحث و مباحثہ میں صرف نہ کریں۔ ہجرت ضروری ہے تو ایسی ضروری نہیں کہ نہ والدین کی اجازت کی حاجت ہو اور نہ اہل و عیال کے کفاف کی اور جملہ اہل اسلام کو علی الفور ہجرت لازم ہی کر دی جائے۔ اور مستحب ہے تو ایسی مستحب بھی نہیں کہ تمام اہل ہند بے حس و حرکت ہو کر آرام و اطمینان سے اس دار الکفر میں لمبے پیر پسار کر سوتے رہیں۔ بلکہ فرض ہے کہ ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق تائید دین کے لیے مال اور جان سے کوشش کرے خواہ یہاں رہے یا کہیں باہر جاوے۔ واللہ الموفق اکابر اور عمائد اسلام پر علی الخصوص واجب ہے کہ خود ہمت کریں اور عوام کو ہمت بندھائیں اور جو شخص جس کام

کے لائق ہو اس کو اس کام میں لگائیں اور بحث واختلافات جس کا منشاء نفسانیت ہے۔ اس اختلاف سے بچیں اور دوسروں کو بچائیں اور العلم حجاب الاکبر کے مصداق نہ بنیں احقر نے حالات موجودہ پر نظر کرکے جو مناسب اور حق سمجھا ہے جناب کی خدمت میں پیش کر دیا۔

باقی عبارات کتب جن کو ہمارے علما نے اپنے قول کی مؤید سمجھ کر اپنے استدلالات میں پیش فرمائی ہیں ان کا مطلب اہل علم جو سمجھ رہے ہیں اس میں مجھے کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں میں نے فقط یہ عرض کیا ہے ہجرت فرض ہے یا مستحب۔ قابل غور یہ ہے کہ ہم کو اس حالت میں کیا کرنا چاہیے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر اس خاص وقت میں ایسے منازعت کو نہایت منحوس اور مضر سمجھتا ہے۔

فقط والسلام

بندۂ محمود بقلم خود۔

۲۱ ر ذی الحجۃ ۱۳۳۸ھ یوم سہ شنبہ

ضمیمۂ سوم:

اعلان

خلافتِ اسلامی اور بلادِ اسلامیہ کا آخری فیصلہ

مسلمانانِ ہند کے فرائضِ شرعیہ

مولانا ابو الکلام آزادؒ

نوٹ: یہ رسالہ اخبار ہمدم، لکھنؤ میں اور کتابچے کی شکل میں شائع ہونے سے قبل اسی عنوان سے روزنامہ زمیندار، لاہور کی اشاعت مورخہ یکم اگست ۱۹۲۰ء میں صفحہ اوّل پر شائع ہو چکا تھا۔

(ابو سلمان شاہجہانپوری)

تمہید

مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ تحریر یکم ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کو لکھی تھی اور اس کا ایک حصہ اخبار ہمدم لکھنؤ کی اشاعت ۳ راگست ۱۹۲۰ء مطابق ۷ اذی قعدہ ۱۳۳۸ھ میں شائع بھی ہوگئی تھی۔ اس کا ایک حصہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے اخبار "اہل حدیث" امرتسر میں "ہجرت کا فتویٰ" کے عنوان سے شائع بھی کر دیا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے "تبرکات آزاد" میں اسے شامل کر لیا ہے لیکن مولانا آزاد کی یہ مکمل تحریر جو رسالہ کی صورت میں بھی شائع ہوئی تھی اور تحریک ہجرت اور خلافت و بلاد اسلامیہ کو درپیش مسائل کے مطالعے کے سلسلے میں نہایت اہمیت رکھتی ہے، مولانا مہر مرحوم کو بھی دستیاب نہ ہوئی تھی۔ اس رسالے میں مولانا نے ایک "رسالہ ہجرت" کا ذکر بھی کیا ہے۔
یہ بات ابھی تک متحقق نہیں کہ یہ رسالہ لکھا گیا تھا۔ یہ رسالہ جو یہاں پیش کیا جاتا ہے اور جس کا ایک حصہ اخبار "اہل حدیث" میں شائع ہوا تھا، ہجرت کے امر یا نہی میں کم اور مسائل کے تجزیے اور ان پر بحث میں زیادہ ہے۔ ہجرت کے سلسلے میں مولانا نے جن سوالات کو اٹھایا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کے لیے تمام شرائط موجود نہیں تھے۔ یہ بات قطعاً ممکن نہ تھی کہ ہندوستان کی اتنی کثیر آبادی ہجرت کر جاتی۔ انفرادی ہجرت سے یا کسی خاص حلقے سے کسی چھوٹی یا بڑی جماعت کے ہجرت کر جانے سے بھی وہ فوائد حاصل نہ ہو سکتے تھے، جو اس تحریک سے مطلوب تھے الا یہ کہ خاص خاص صلاحیتوں کے لوگ ایک منصوبے کے مطابق ملک سے ہجرت کر جائیں اور اندرون ملک آزادی ملک اور خلافت کے کام کے ساتھ بیرون ملک سے بھی کام کا آغاز کیا جائے۔

اگر غدر پارٹی کے چند نوجوان برٹش استعمار کے لیے ایک عالمی مسئلہ بن سکتے ہیں، اگر ۱۹۱۵ء میں پنجاب سے ہجرت کر جانے والے چند کمزور طلبہ، تحریک شیخ الہند کے چند افراد اور مولانا عبید اللہ سندھی، اگر کابل میں بے اثر و بے وسائل "ہندوستان کی عارضی حکومت"، اگر ایک کاغذی "جنود ربانیہ" اور انقلاب کا ایک منصوبہ (تحریک ریشمی رومال) انگریزی حکومت کے لیے ہیبت ناک ثابت ہو سکتے تھے، تو اگر چند سو خاص صلاحیتوں کے مسلمان ملک سے باہر چلے جاتے اور کسی ایک یا کئی ملکوں میں پھیل کر برٹش حکومت کے خلاف کام کرتے تو بے نظم اور ہلاکت آفریں ہجرت کے بجائے ملک کے اندر ایک عظیم سیاسی انقلاب پیدا کیا جا سکتا تھا۔

ہندوستان سے ہجرت جس بے انتظامی کی صورت میں شروع ہوئی تھی اس میں مسلمانوں کے لیے ہلاکت زیادہ

حاصل کی امید کم تھی۔ اس لیے مولانا نے یہ کوشش کی تھی کہ ہجرت کا فیصلہ کوئی شخص از خود اور کوئی آبادی اصحاب رائے کے مشورے اور تمام نشیب و فراز پر غور و فکر کے بغیر نہ کرے۔ اس سلسلے میں مولانا نے بنگال، یوپی، پنجاب اور سندھ میں ایک نظام قائم کر دیا تھا۔ کلکتہ (بنگال) میں مولانا خود تھے، لکھنؤ (یوپی) میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی تھے، امرتسر، قصور اور لاہور (پنجاب) میں مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالقادر قصوری اور مولوی محی الدین قصوری تھے اور رالائی کانہ (سندھ) میں پیر سید تراب علی شاہ راشدی تھے۔ مولانا آزاد نے مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ان حضرات سے مشورے کے بغیر ہجرت کی راہ میں قدم نہ اٹھائیں۔ مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ یہ فتویٰ ترک موالات کے مفصل پروگرام کے نفاذ سے پیشتر دیا گیا تھا۔ جب ترک موالات کا پروگرام منظور ہو گیا اور جمعیتہ مرکزیہ خلافت اور جمعیتہ علمائے ہند کے علاوہ کانگریس نے بھی اسے منظور کر لیا تو پھر ملک کے اندر ہی وسیع پیمانے پر قومی کام شروع ہو گیا اور باہر جانے کی ضرورت نہ رہی۔ غالباً حالات کی یہی تبدیلی "رسالہ ہجرت" کی عدم تحریر کا باعث ہوئی ہو گی۔

مولانا آزاد کی اس تحریک کے بارے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب شاہد علی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی تحریرات پر مشتمل رسالہ ہجرت شائع کیا تو اگرچہ اس رسالہ میں مولانا کے مضمون کا ذکر ہے اور نمبر ۲ کے ذیل میں مسئلہ ہجرت پر مولانا عبدالباری صاحب کے جو خیالات ہیں۔ اس میں انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ہجرت کی بیعت لینا ضروری تھا، اور پھر اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس جملے میں اشارہ مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے ہم خیال علما کے مسلک کی طرف ہے۔ مولانا فرنگی محلی کے اس اختلاف نے اس رسالے کی اہمیت اور ہجرت کے باب میں دونوں بزرگوں کے انکار کے تقابلی مطالعے کی افادیت کو بہت بڑھا دیا ہے۔

اس تمہید کے بعد مولانا آزاد کا یہ تاریخی اور نادر و نایاب رسالہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

ابوسلمان شاہجہانپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایھا الذین امنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل

(توبہ : ۳۸)

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو تمہارے قدموں میں حرکت نہیں ہوتی تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کا خیال بالکل چھوڑ دیا اور آخرت کے بدلے دنیا کی چند روزہ زندگی پر قناعت کر لی اگر ایسا ہی ہے تو افسوس تمہاری نامرادی پر! یاد رکھو کہ جس زندگی اور اس کی فانی لذتوں پر ریجھے بیٹھے ہو وہ آخرت کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے۔

الحمد للہ وحدہ۔ میری خاموشی بلا وجہ نہ تھی اور نہ فکر و عمل سے خالی۔ نہایت کثرت سے لوگ زبانی خط اور تاروں کے ذریعے دریافت کرتے رہے کہ مسئلہ خلافت کے سلسلے میں آئندہ مسلمانو کو کیا کرنا چاہیے اور احکام شرع اس بارے میں کیا ہیں میں نے مختصراً جوابات دیئے لیکن کوئی عام اعلان نہیں کیا۔

اعمال شریعت دو قسم کے ہیں: انفرادی اور اجتماعی۔ انفرادی سے مقصود وہ اعمال ہیں جن کو الگ الگ ہر فرد انجام دے سکتا ہے۔ جیسے نماز روزہ۔ اجتماعی سے مقصود وہ اعمال ہیں جن کی انجام دہی کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ الگ الگ ہر فرد انجام نہیں دے سکتا، جیسے نماز جمعہ، پہلی قسم کے اعمال کی تبلیغ کے لیے اس قدر کافی ہے کہ ان کے وجوب و عمل کا حکم دے دیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ لوگ اس طرح انجام دیں لیکن دوسری قسم کے لیے اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ حصول و قیام کا بھی انتظام کرنا چاہیے کیوں کہ انفراداً وہ اعمال انجام نہیں پا سکتے۔ جب تک جماعت کا انتظام نہ ہو جائے۔ مثلاً جمعہ کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہ ہوگا کہ ادائے جمعہ کا طریقہ بتلا دیا جائے بلکہ جماعت کا بھی انتظام کرنا چاہیے تاکہ جمعہ عملاً انجام پا سکے۔

موجودہ منزل جو در پیش ہے اس کے اعمال اجتماعی ہیں نہ کہ انفرادی پس محض تجویز کا اعلان سود مند نہ تھا جب تک قیام و تنفیذ کا بھی کوئی انتظام نہ ہو جاتا میں بقدر استطاعت اس کام میں

مشغول تھا۔ مواقع بے شمار تھے مفاسد چند در چند کام عظیم الشان اور عنداللہ وعندالناس ذمہ داری اشد۔ با این ہمہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم نے چارہ سازی فرمائی اور اس امر عظیم وخطیر کے بارگر ان کو طلب گاران راہ کے لیے بالکل آسان وسُبک کر دیا۔ اب میں مستعد ہوں کہ اس بارے میں جو بصیرت رکھتا ہوں لوگوں کے سامنے بلا کسی احتجاب واخفا کے پیش کر دوں اور جس راہ پر خود چل رہا ہوں اس کی طرف دوسروں کو بھی دعوت دوں۔

الا فاسقنی خمراً وقل لی ھی الخمر

ولا تسقنی سراً فقد امکن الجھر

ا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے جو بات سامنے آتی ہے وہ عمل وراہ عمل کی جستجو کا معاملہ ہے۔ عمل کی جستجو میں جو حیرانی ومجہولیت لوگوں پر طاری ہے وہ نہایت تعجب انگیز ہے۔ خلافت وبلاد اسلامیہ کا مسئلہ دینی مسئلہ ہے اور اس درجہ اہم ہے کہ ایمان ونفاق تک کا فیصلہ کر دیتا ہے اس بات پر سب لوگ متفق ہیں۔ پس اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے تو ضرور ہے کہ مسلمان اس بارے میں جو کچھ کریں اس کی تمام تر بنیاد احکام شرع پر ہو۔ محض کسی انسان کے قیاس وتخمین پر نہ ہو جس کو صاحب شرع نے رائے سے تعبیر کیا ہے۔

جو شریعت مسلمانوں کو صاف صاف حکم دیتی ہے کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت واعانت اور بلاد اسلامیہ کا دفاع فرض ہے۔ اِس کو صاف صاف یہ بھی بتلا دینا چاہیے کہ جب اِس کا وقت آجائے تو مسلمان کیونکر اپنا فرض انجام دیں جو کچھ شریعت نے بتلایا ہو مسلمان اِس پر عمل کریں۔ اِس میں اس قدر الجھن، اس قدر کاوش، اس قدر حیرانی، اس قدر سرگردانی کیوں ہے؟

اسلام کا اعلان ہے کہ دین کامل ہو چکا، الیوم اکملت لکم دینکم ......

اور دین کامل وہی ہے جو اپنے پیروؤں کی ہر عہد اور ہر حالت میں رہنمائی کر سکے۔ پس اگر اسلام مسلمانوں کو ایسے اہم اور بنیادی معاملے میں بھی یہ نہیں بتلا سکتا کہ انھیں کیا کرنا چاہیے حتیٰ کہ وہ مہینوں سرگرداں وحیران رہتے ہیں پے در پے مشوروں کے جلسے کرتے ہیں متحیر ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں اور پھر مجبور ہوتے ہیں کہ کسی غیر شرعی تجویز پر کاربند ہونے کا اعتراف کر لیں تو اس سے بڑھ کر اسلام کی بے مائیگی وتہی دستی اور نقص شریعت کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں جو بات جس قدر زیادہ سچی ہو گی اتنی ہی زیادہ صاف اور

سہل بھی ہو گی۔ پس شریعت کے حکموں میں نہ تو دراڑ ہے، نہ پیچ و خم کہ ان کے حل کرنے سے عقلیں درماندہ اور فکریں سرگشتہ ہوں۔ اس کے تمام احکام بالکل صاف صاف اور سورج کی روشنی کی طرح کھلے اور بے نقاب ہیں۔

اس کی شام بھی اتنی ہی روشن ہے جتنی صبح۔ پس اگر خلافت کا مسئلہ دینی مسئلہ ہے تو اس کی جدوجہد کی ہر منزل کے لیے شریعت کے احکام کو بھی بالکل اسی طرح صاف اور واضح ہونا چاہییں جیسے

اقیموا الصلٰوۃ واتوا الزکوٰۃ۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

ان کو کوئی ایسا راز نہیں ہونا چاہیے جس کے حل کرنے کے لیے مہینوں کی حیرانیاں اور مجلسوں کی ہنگامہ آرائیاں مطلوب ہوں اور پھر بھی حل نہ ہوں۔

اسلام کا مسئلہ حکم ہے کہ خلیفہ اسلام کی اطاعت و حمایت اور غیر مسلم حملہ آوروں کے مقابلے میں دفاع مسلمانوں پر فرض ہے جو اس سے انکار کرے وہ ایسی شدید معصیت میں مبتلا ہو گا جس کے بعد کفر صریح کے سوا ضلالت کا کوئی درجہ نہیں۔ موجودہ حالت یہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ کی محارب فوجیں بلاد اسلامیہ پر قابض ہیں اور آخری اعلان شرائط صلح کی صورت میں ہو چکا ہے خود دارالخلافہ پر انگریزی تسلط ہے۔

مسلمانوں کی جانباز جماعتیں وہاں سرگرم دفاع ہیں ان کے مقابلے میں برطانیہ کی قوتیں علانیہ خرچ ہو رہی ہیں۔ پس قانون اسلام میں "فریق محارب" کے جو معنی ہیں وہ ٹھیک ٹھیک اپنے آخری اور کامل معنوں میں برٹش گورنمنٹ پر صادق آگئے۔

۱۔ اس گورنمنٹ کے ماتحت ہندوستان میں چھ کروڑ سے زیادہ مسلمان بستے ہیں۔ شرعاً ان پر بھی وہ فرائض عائد ہوتے ہیں جن کا ایسے وقتوں میں شریعت نے حکم دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ شریعت ان کو یہ بتلاتی ہے کہ دفاع فرض ہے اس کو یہ بھی تو بتلانا چاہیے کہ اگر ایسی صورت پیش آجائے جیسی مسلمانان ہند کو اب پیش آئی ہے تو شرعاً کیا کرنا چاہیے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اسلام مسلمانوں کو روزانہ ضروریات و اعمال کی چھوٹی چھوٹی باتیں تک بتلا دے لیکن یہ نہ بتلا سکے کہ چھ کروڑ انسان اپنا ایمان کیونکر محفوظ رکھ سکتے ہیں!

اگر کہا جائے کہ احکام ہم کو معلوم ہیں مگر ہندوستان میں ہماری حالت ایسی مجبوری اور بے بسی کی ہے کہ ان پر عمل نہیں کر سکتے تو یہ مجبوری دو حالتوں سے خالی نہیں، یا واقعی ہے یا غیر واقعی اگر واقعی

نہیں ہے تو وہ عذر ہی نہیں ہے۔ اگر واقعی ہے تو خدا کی شریعت عادلہ انسان کی فلاح وصلاح کے لیے ہے، ضیق حرج یعنی تنگی وجبر کے لیے نہیں۔ وما جعل علیکم فی الدین من حرج اور یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور حدیث ابی معاذ الی الیمن کہ یسرا ولا تعسرا۔ پس اس کا کوئی حکم ایسا نہیں ہو سکتا جس پر بآسانی عمل نہ کیا جا سکے اور نہ کوئی عمل ایسا ہو سکتا ہے جو ہر حیثیت سے موجب رفاہ و فلاح نہ ہو۔ اس نے ہر حالت کے لیے حکم دیے ہیں اور ہر طرح کے عذروں کی پذیرائی کی ہے اور ہر قسم کے حالات ومقتضیات کی راہیں باز رکھی ہیں۔ طہارت کے لیے وضو کا حکم دیا لیکن اگر عذر پیش آجائے تو معذور کے لیے تیمم کا حکم بھی موجود ہے۔ معذور کے لیے تیمم کا عمل ویسا ہی صحیح وکامل ہے جیسا غیر معذور کے لیے وضو، پس اگر ہندوستان میں مسلمانوں کو واقعی عذرات درپیش ہیں تو عذرات کی صورت میں بھی مثل حکم تیمم کے کوئی حکم ہونا چاہیے۔ وہ حکم کیا ہے؟ اس کو بتلانا چاہیے اور (اس پر) عمل کرنا چاہیے مسلمان حکومت وسلطنت سے تہی دست ہو جائیں لیکن خدا کے لیے اسلام کو رہنمائی وہدایت سے تہی دست ثابت نہ کرو۔ چھ کروڑ مسلمانوں میں ایک بھی خدا کا بندہ ایسا نہ رہا جو اسلام کے نور علم وہدایت سے اس ظلمت وکوری ملت کو دور کر سکے اور مسلمانوں کو یہ کہہ کے بلا سکے کہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی کیا اسلام کی قوت تعلیم وتربیت اب اس قدر نامراد ہو گئی کہ لکھوں کی اس پوری اقلیم میں ایک بھی کام کا انسان پیدا نہیں کر سکتی کسی زمانے میں ہر دوسرا مسلمان رہنما ہوتا تھا۔ کیا اب پورے چھ کروڑ مسلمانوں میں ایک بھی ایسا شریعت داں نہیں جو از روئے شریعت لوگوں کی رہنمائی کر سکے؟

الیس منکم رجل رشید؟

اصل یہ ہے کہ موجودہ حالات نے آخری درجہ یقین تک ظاہر کر دیا ہے کہ ہماری ایمانی وقلبی موت کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ لوگ اس کو علمی اور ذہنی تنزل سے تعبیر کریں گے۔ لیکن میں ایمانی تنزل کے سوا اور کوئی لفظ نہیں بول سکتا وہ چیز جس کو قرآن وسنت نے "قوت عزیمت" اور "سابقت بالخیرات" سے تعبیر کیا ہے، یک قلم مفقود ہو گئی ہے۔ سب اس کے لیے رہ گئے ہیں کہ ان کو کوئی دوسرا راہ دکھائے۔ خود راہ نکالنے اور لوگوں کے لیے دلیل راہ بننے کی قوت باقی نہیں رہی۔ موجودہ وقت کسی ایسے مرد راہ کا طالب ہے۔ جو صاحب عزم وامر ہو اور اس لیے نہ ہو کہ دوسروں کی چوکھٹ پر ہدایت ورہنمائی کے لیے سر جھکاتے بلکہ دوسرے اس لیے ہوں تاکہ رہنمائی کے لیے اس کا منہ تکیں اور جب وہ قدم اٹھائے تو اس کے نقش قدم کو دلیل راہ بنائیں۔ اس کے سلطان

فکر کی عزیمت، تجویزوں اور بحثوں کی محتاج نہ ہو بلکہ کتاب اللہ کی بصیرت اور اسوۂ حسنۂ نبوت کی حکمت نے اس کو تمام انسانی فکروں اور رایوں سے بے نیاز کر دیا ہو "ان الامانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال (بخاری) اس کا قلب امانت کتاب وسنت کا حامل ہو اور قلوبھم مصابیح الھدیٰ یخرجون من کل غبراء مظلمۃ۔ وہ اپنے اندر مصباح ہدایت کی روشنی رکھتا ہو جو باہر کی تمام روشنیوں سے بے پروا کر دے۔

باغ مراچہ حاجت سرو وصنوبر است
شمشاد خانہ پرور ما از کہ کمتر است

۲۔ یہ ساری مصیبت اور نامرادی اس لیے ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی جماعتی نظام موجود نہیں، جس کا انتظام شرعاً ان پر واجب تھا اور نہ ہدایت امت کے لیے کوئی صاحب امر وسلطان دماغ ہے۔ عہد جاہلیت کی سی ایک طوائف الملوکی اور اجتماعی اختلال دہ رہی ہے۔ جس میں چھ کروڑ انسان مبتلا ہیں اور جماعتی زندگی کی اس معصیت کی وجہ سے فوز وفلاح کے تمام دروازے بند ہو گئے ہیں۔ موجودہ حالات میں ان کی جتنی صورتیں شرعاً ہو سکتی ہیں ان سب کے لیے پہلی چیز "جماعت" ہے۔ چونکہ جماعت مفقود ہے اس لیے کوئی راہ نہیں کھلتی اور خود سرگرداں کار حیران ہو کر ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

۳۔ تمام دلائل شرعیہ، حالات حاضرہ، مصالح مہمہ امت اور مقتضیات صالحہ ومؤثرہ پر نظر ڈالنے کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانان ہند کے لیے بجز ہجرت کے اور کوئی چارۂ شرعی نہیں۔ ان تمام مسلمانوں کے لیے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا عمل انجام دینا چاہیں ضروری ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں اور جو لوگ یکایک ہجرت نہیں کر سکتے وہ مستعد مہاجرین کی خدمت واعانت اس طرح انجام دیں گویا وہ خود ہجرت کر رہے ہیں۔ یعنی اصل عمل جو اب درپیش ہے، ہجرت ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں ہندوستان سے ہجرت قبل از جنگ بھی مستحسن تھی اب بر اعتبار شرائط شرعیہ کے ماتحت وجوب تک پہنچ گیا ہے۔ البتہ جن لوگوں کی نسبت ظن غالب ہو کہ مقصد کی جدوجہد اور کلمۂ حق کے اعلان وتذکیر کے لیے ان کا قیام ہندوستان میں بہ مقابلہ ہجرت کے زیادہ ضروری ہے یا جو لوگ دیگر عذرات مقبولۂ شرعیہ کی بنا پر ہجرت نہ کر سکیں یا یکایک نہ کر سکیں یا ایک اتنی بڑی اور وسیع آبادی کی نقل وحرکت میں قدرتی طور پر جو تاخیر ہونی چاہیے اس کی وجہ سے تاخیر ہو سو بلاشبہ وہ لوگ ٹھہر سکتے ہیں، لیکن ان کو اپنی تمام قوتیں اتباع شریعت کے لیے

وقف کر دینی چاہیے اور ایک منظم جماعت کی شرعی ہیئت پیدا کر کے زندگی بسر کرنی چاہیے اور جہاں تک عزم و نیت کا تعلق ہے ہجرت کے ولولہ و تہیہ سے خالی نہ رہنا چاہیے۔ ہندوستان میں ایک ایسی جماعت کا قائم ہو جانا موجودہ حالات کی بنا پر اصل کام ہوگا۔

۴۔ البتہ یہ واضح رہے کہ ہجرت کی جو صورت اس وقت ہندوستان میں درپیش ہے شرعاً اس کی صورت یہ نہیں ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص بطور خود نکل کھڑا ہو بلکہ ہجرت کے تمام اعمال جماعت کے انتظام سے انجام پانے چاہئیں اس بات کا فیصلہ کرنا صاحب جماعت کا کام ہے کہ کس شخص کو فوراً ہجرت کر جانا چاہیے۔ اور کس شخص کی استعداد ایسی ہے کہ اس کا قیام اندرونی خدمات کے لیے مطلوب و مفید ہے نیز ہجرت کی جائے تو کس مقام پر اور کن حالات کے ساتھ کہ موجب ثمرات و برکات ہو۔ ہر شخص بطور خود ان امور کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

جب ایک طالب عمل کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا تو اس کے لیے ہجرت کرنا واجب ہو جائے گا۔

۵۔ اعمال ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنۂ نبوت نے ہمارے لیے چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیعت ہے، بغیر بیعت کے ہجرت نہیں کرنی چاہیے۔ پس ضروری ہے کہ جو لوگ ہجرت کریں، پہلے ہجرت پر بیعت کر لیں۔

۶۔ مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تشریح رسالہ ہجرت میں ملے گی یہ ظاہر ہے کہ نہ تو ہندوستان سے بیک وقت تمام لوگ ہجرت کر سکتے ہیں اور نہ شرعاً مطلوب، ہجرت کا سلسلہ جاری رہے گا اور ہندوستان میں اسلامی آبادی باقی رہے گی۔ پس جو لوگ ہندوستان میں ہیں وہ جب تک ہندوستان میں رہیں شرعاً ان کے لئے جائز نہیں کہ اسلام کے فریق محارب سے کسی طرح کا علاقہ محبت و الفت یا اعانت و خدمت کا رکھیں، جو شخص رکھے گا وہ حسب نص قرآنی اسلام کے دشمنوں میں محسوب ہوگا۔ ومن یتولہم منکم فانہ منہم

"علاقہ محبت و خدمت" میں نے "موالات" کا ترجمہ کیا ہے جو قرآن میں وارد ہے "موالات" میں تمام باتیں داخل ہیں جن سے خلافت کمیٹی "نن کوآپریشن" کے نام سے روک رہی ہیں۔ آج ہی نہیں بلکہ اعلان جنگ ٹرکی کے وقت سے مسلمانوں کے لیے وہ تمام باتیں از روئے شرع ممنوع ہو چکی ہیں گزشتہ فروری کے جلسۂ دہلی سے لے کر ۱۱ اپریل کے جلسۂ خلافت کمیٹی بمبئی تک میں نے "نن کوآپریشن" کو قبول کرانے کے لیے جس قدر کوشش کی تھی کہ وہ منظور کر لیا گیا، اس کی بنا یہی تھی یہ بات تھی کہ [illegible] کی عدم منظوری کے بعد بطور ایک دفاعی عمل کیا جائے۔ کیونکہ

بشرعاً نہ تو یہ دفاع و جہاد ہے نہ کوئی مستقل عمل۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ دفاع کے اقدامات میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو ترک موالات اول روز ہی سے کرنا تھا۔ نہ کیا تو یہ اشد شدید معصیت تھی اور نفاق قطعی۔ اب بھی کریں اور جس قدر بھی کریں عین مطلوب و مقصود ہے۔ چنانچہ دہلی کی سب سے پہلے "نن کواپریشن" سب کمیٹی کے بعد ہی میں نے میرٹھ خلافت کانفرنس میں بہ تفصیل واضح کر دیا تھا کہ ہمارا مقصود اس سے کیا ہے اور مسلمانوں کو یہ کام کیوں اور کس شکل میں انجام دینا چاہیے۔

۷۔ یہ میری راہ ہے میری بصیرت ہے، میرا یقین اور ایمان ہے نہ کہ کوئی قیاس، رائے اور پولٹیکل حکمت عملی۔ تمام یورپ اسلامی حکومت سے نکل چکا۔ بغداد و شام جا چکے لیکن ایمان باقی ہے۔ اب ہم کو قسطنطنیہ کا بچاؤ نہیں کرنا ہے، بلکہ اپنے ایمان کا بچاؤ درپیش ہے اور مقصود بقائے ملک نہیں ہے بلکہ صرف بقائے ایمان۔

اگر قسطنطنیہ اور بغداد کو نہیں بچا سکتے تو کم از کم اپنا ایمان تو بچا لے جائیں۔ میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے اور پورے اطمینان و انشراح قلب کے ساتھ اس مسلک پر مستقیم ہوں۔ جس طالب حق کو مجھ پر اعتماد ہو اٹھے اور اس میں میرا ساتھ دے۔

۸۔ بالفعل طریق عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عمل دے وہ فوراً اپنے عزم سے مجھے مطلع کریں یا حسب ذیل احباب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کر لیں:

مولوی عبدالقادر صاحب قصوری (قصور، ضلع لاہور)

مولوی محی الدین احمد صاحب بی اے (قصور، ضلع لاہور)

مولوی محمد داؤد صاحب غزنوی (امرتسر)

پیر سید تراب علی شاہ صاحب راشدی۔ لاڑکانہ (سندھ)

مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی ایڈیٹر "البیان" (لکھنؤ)

۹۔ رسالہ ہجرت زیر تحریر ہے عنقریب شائع ہوگا۔ جن حضرات کو دلائل شرعیہ کی نسبت تامل ہو وہ اس کا انتظار کریں۔

فقیر

احمد ابوالکلام، کان اللہ له

کلکتہ، ۱۔ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ

ضمیمۂ چہارم : **مسئلۂ ہجرت**

(چند خطوط)

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کے دو خط

مولانا محمد حنیف ندوی کے نام

(۱)

باسمہ

حضرت مخدوم و مکرم!

مئی ۱۹۸۵ء میں خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تھا اور افاداتِ عالیہ سے دامنِ مراد بھر لایا تھا۔ اب ایک افادۂ عالی کا ایک مضمون میں حوالہ دینا چاہتا تھا تو مناسب معلوم ہوا کہ حضرت مخدومی سے پھر دریافت کر لوں اور ارشادِ گرامی کے بطور خود حوالے کے بجائے حضرت مخدومی کی تحریر کا حوالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں کہ زبانی روایت پر تحریر کا درجہ استناد ظاہر و افضل ہے۔

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کا ایک فتویٰ دربارۂ ہجرت ۱۹۲۰ء چھپا ہوا موجود ہے، اس میں مولانا نے ہجرت ۱۹۲۰ء کو

۱۔ حالاتِ حاضرہ میں سب سے بڑا اسلامی عمل اور وجوب کے درجے تک پہنچا ہوا استحسان قرار دیا ہے۔

۲۔ لیکن یہ بھی فرماتے ہیں، "شرعاً اس کی صورت یہ نہیں کہ فرداً فرداً ہر شخص بطورِ خود ارادہ کر لے اور نکل کھڑا ہو۔"

۳۔ پھر وہ لکھتے ہیں، "اعمالِ ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنۂ نبوت نے ہمارے لیے چھوڑا ہے، وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم بیعت ہجرت ہے، بغیر بیعت کے ہجرت نہیں کرنی چاہیے۔"

۴۔ اس فتوے میں مولانا یہ بھی تحریر فرماتے ہیں: "یہ ظاہر ہے کہ نہ تو ہندوستان سے بہ یک وقت تمام لوگ ہجرت کر سکتے ہیں اور نہ شرعاً مطلوب۔"

آخر میں [illegible] الفعال لما یرید [illegible] ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ

توفیق عمل دے، وہ فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں یا .... (یوپی پنجاب وغیرہ میں مقررہ) اصحاب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کر لیں۔

یوپی اور پنجاب میں مولانا نے مندرجہ ذیل حضرات کو مقرر فرمایا تھا:

مولانا عبدالقادر (قصوری) اور مولانا محی الدین (قصوری) لاہور میں، مولانا محمد داؤد غزنوی امرت سر میں اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی لکھنؤ میں۔

مناسب ہوگا کہ آں محترم "تبرکات آزاد" مرتبہ مولانا غلام رسول مہر میں ہجرت کا فتویٰ (صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۶) پر ایک نظر ڈال لیں۔

مولانا آزادؒ کے فتوے سے میں یہ سمجھا ہوں کہ مولانا نے فتویٰ ضرور دیا، لیکن یہ فتویٰ چند شرائط اور ایک خاص طریق عمل سے مشروط ہے۔ پس اگر کوئی عازم ہجرت ان شرائط کو نظر انداز کر دیتا ہے، اور اس خاص طریقِ عمل کی پابندی نہیں کرتا تو اس کے عمل و اقدام اور اس کے نتائج کے لیے مفتی کے فتوے کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ واقعہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں عمل ہجرت کے جوش میں کسی نے ان شرائط اور طریق عمل کی پابندی نہیں کی۔ ایک غیر منظم پر جوش ہجوم تھا جو اچانک نکل کھڑا ہوا تھا، کسی کو حالات کا کوئی شعور نہ تھا، کوئی نظم و ضبط نہ تھا، انگریزوں سے نفرت یا ترکی خلافت کی خدمت کے ایک جذبے نے ایکا ایک مشتعل ہو کر حرکت و عمل کی ایک خاص شکل اور منظر کا ایک رخ اختیار کر لیا تھا جس کا رہنما نہ کوئی عالم دین تھا نہ کسی سنجیدہ و پختہ کار سیاسی رہنما نے اس تحریک کی قیادت قبول کی تھی۔

اس تحریک کے سب سے بڑے رہنما اس دور میں عزیز ہندی نظر آتے ہیں یا جان محمد جونیجو (سندھی) ہیں جو اس تحریک میں "رئیس المہاجرین" کے لقب سے مشہور ہوئے، لیکن یہ دونوں نوجوان تھے سیاسی کاموں کا انہیں کوئی سابقہ تجربہ نہ تھا۔ نہیں کہہ سکتا کہ سیاسی تربیت سے محروم یہ حضرات کوئی پختہ سیاسی شعور بھی رکھتے تھے، اور ہندوستان کے سیاسی حالات اور وقت کے تمام نشیب و فراز پر ان کی نظر تھی یا وہ مقام ہجرت (افغانستان) کے سیاسی، معاشی، اقتصادی حالات اور جغرافیائی گرد و پیش سے بھی بخوبی واقف تھے۔ میری نظر سے جو چیزیں گزری ہیں، ان سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ان کا مقام رہنمائی کا نہیں کا کسی

کا تھا۔ بلاشبہ ان دونوں حضرات کے پرجوش اسلامی جذبہ، خلافت، خلافت تحریک، اسلامی اور اخلاص ملی کی جتنی بھی قدر کی جائے، کم ہے۔ ہم ان حضرات کے اخلاص، ایثار وقت و مال اور استقامت عمل کا معترف ہوں، لیکن کیا وقت کے ایک اہم مسئلے میں ان مخلصین صادقین اور پرجوش نوجوانوں کی فکر و بصیرت اور اصابت رائے پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

اس وقت کے حالات پر جس حد تک بھی میری نظر ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کی ضرورت تھی نہ یہ عملاً ممکن ہی تھا، اور جیسا کہ مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ "نہ شرعاً ہی مطلوب" تھا۔ البتہ اسلامی مقاصد کے تحت، ایک پروگرام کے مطابق، وقت کی کسی قابل اعتماد بصیرت اور پختہ کار قیادت کی رہنمائی میں ہجرت کا عمل انجام پاتا تو اس سے مفید نتائج پیدا ہو سکتے تھے۔

لیکن اچانک پورے ہندوستان میں خصوصاً شمال مغربی علاقوں میں جو صورت حال اور اسلام کے نام پر جو تحریک پیدا ہو گئی تھی اس کی مخالفت بھی قرین مصلحت نہ تھی لیکن ٹھیک اسی طرح ایک ایسی تحریک جس میں فوائد کے مقابلے میں نقصانات زیادہ ہوں، خواہ اسے اسلام کے مقدس نام پر ہی کیوں نہ شروع کیا گیا ہو، اس کی تائید اس کی مخالفت سے زیادہ مسلمانوں کے لیے ضرر رساں تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ بعض بزرگ اس تحریک کی رہنمائی کرنے کے بجائے، اس کے سیلاب میں بہ گئے۔

میرے خیال میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ وہ واحد راہنما تھے، جنھوں نے نہایت بصیرت کا ثبوت دیا۔ ان کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ تو تحریک کی مخالفت کی اور نہ تحریک کے سیلاب اور جوش و جذبات کے طوفان میں بہ گئے۔ بلکہ انھوں نے گرد و پیش کے حالات اور قومی اور ملی مصالح کے مطابق تحریک کی مخالفت یا موافقت کے بجائے اسے ایک موڑ دینے کی کوشش کی۔ انھوں نے ہجرت کی اہمیت کو ضرور واضح کیا لیکن ہجرت کے اسلامی حکم اور اسوۂ حسنۂ نبوت بھی پیش کر دیا اور ایک غیر منظم اور جاہلی ہجوم کو اسلامی نظام سے مربوط کر کے اس عمل کو نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کی۔

میرے یہ خیالات حضرت مولاناؒ کے فتویٰ ہجرت کی روشنی اور حالات کے مطالعے کے نتیجے میں قائم ہوئے ہیں۔ نیز میری رائے ہے کہ اگر فتویٰ مشروط بہ شرائط ہو تو جب تک وہ شرائط پوری نہ ہوں فتوے کی کوئی اسلامی و شرعی حیثیت نہیں ہوتی اور نہ شرائط کی تکمیل کے بغیر مفتی پر

اس کے فتوے اور اس پر عمل کے نتائج کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

یہ میرا مطالعہ اور رائے تھی لیکن محض طالب علمانہ مجھے اس پر اطمینان تھا لیکن اس کی صحت پر اصرار ہرگز نہ تھا لیکن گزشتہ سال مئی (۱۹۸۵ء) میں جب آپ سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا آزاد تحریک ہجرت کے مخالف تھے، اور انھوں نے اسی زمانے میں (۱۹۲۰ء) میں موچی دروازہ، لاہور کے ایک جلسے میں اس مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا اور مسلمانوں کو اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی، تو اپنی اس رائے کی صحت کا یقین پیدا ہو گیا۔

آں محترم چوں کہ اس جلسے میں شریک تھے اور حضرت مولانا کی زبان سے ان کے خیالات سنے تھے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ:

۱۔ موچی دروازہ، لاہور کے جلسے کے حوالے سے حضرت مولانا آزاد کے خیالات تحریر فرمائیں۔ تفصیل ممکن نہ ہو تو اختصار ہی کو کام میں لائیے۔

۲۔ تحریک ہجرت اور فتوی مشروط بہ شرائط کے بارے میں خاکسار نے جو کچھ عرض کیا ہے، اس کے خوب و زشت کے بارے میں بھی بے تکلف رائے گرامی تحریر فرمادیں۔ میں آپ کے افکار عالیہ سے شاگردانہ استفادہ کروں گا، اور آں محترم کی رائے گرامی کو اپنا علمی عقیدہ بنالوں گا۔ میرا یہ مقام ہرگز نہیں کہ آپ کے سامنے اپنی کسی رائے پر اصرار کروں۔

مجھے آں محترم کی مصروفیت اور صحت کا خیال ہے، لیکن یہ ایک اہم علمی اور تاریخی مسئلہ ہے، اور آپ کو ملی تحریکات سے جو شغف رہا ہے اور اسلامی افکار و مسائل جس طرح آپ کا خاص موضوع ہیں یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس لیے رہنمائی کے لیے آں جناب ہی سے رجوع کر رہا ہوں۔ مجھے آپ کی رہنمائی کی شدید ضرورت ہے۔

میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خاکسار

ابو سلمان شاہجہان پوری

۲ جون ۱۹۸۶ء

(۲)

باسمہ

حضرت مخدوم ومکرم!

عریضہ خدمت اقدس میں روانہ کر چکا تو اسی فتوے پر مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے نوٹ پر دوبارہ نظر پڑی، اور ایک ایسی بات نے نظروں کو اپنی گرفت میں لے لیا جس پر اس سے پہلے اگرچہ نظر پڑ چکی تھی لیکن اب محسوس ہوا کہ گویا اس بات کا انکشاف پہلی بار ہوا ہے۔ مولانا مہر مرحوم اپنے نوٹ میں فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ یہ فتویٰ ترک موالات کے مفصل پروگرام کے نفاذ سے پیشتر دیا گیا تھا۔ جب ترک موالات کا پروگرام منظور ہو گیا، اور جمعیۃ مرکزیۂ خلافت و جمعیت العلماء ہند کے علاوہ کانگریس نے بھی اسے منظور کر لیا تو پھر یہیں وسیع پیمانے پر قومی کام شروع ہو گیا، اور باہر جانے کی ضرورت نہ رہی"

اس وضاحت نے یہ معاملہ قطعی طور پر صاف کر دیا کہ فتویٰ ہجرت کن حالات میں دیا گیا تھا، اور پھر کیا حالات پیش آئے جن کی بنا پر یہ فتویٰ معطل ہو گیا۔

اب اگر حالات کی تبدیلی، فتوے کے تعطل اور آں محترم کی روایت کے مطابق مولانا آزاد کے صاف صاف اعلان برئیت (جلسہ موچی دروازہ، لاہور میں) کے بعد بھی عمل ہجرت جاری رہا تو اس عمل اور اس کے نتائج کی ذمہ داری سے مولانا آزاد اور وہ تمام مفتی اور دیگر حضرات جو اس فتوے کے مؤید یا مصدق تھے، بری الذمہ ہیں۔

امید ہے کہ جواب نامۂ گرامی میں مولانا مہر مرحوم کے نوٹ اور اس کے مستنبطات پر ضرور نظر رہے گی۔ عریضۂ سابقہ کے ساتھ فتویٰ ہجرت مطبوعہ کی ایک عکسی نقل بھی روانہ کر دی تھی۔

خدا کرے مزاج سامی بخیر ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار

ابو سلمان شاہجہان پوری

۶-۶-۱۹۸۶ء

بہ مطالعۂ گرامی
مولانا محمد حنیف ندوی مدظلہ۔ لاہور

مولانا ندوی مرحوم کا جواب

جس زمانے میں یہ خطوط لکھے گئے تھے مولانا ندوی صاحب شدید علیل تھے۔ اس لیے جواب نہ دے سکے تھے۔ لیکن اگست کے مہینے میں سفر لاہور کے موقع پر جب مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب کے ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے علوی صاحب کو اپنا جواب املا کرا دیا تھا جو درج ذیل ہے:

"۲۰ء میں جب ہجرت کی تحریک کا آغاز ہوا، تو کابل چلو کابل چلو کی ہر سُو صدائیں بلند ہونے لگیں۔ خود میرے گھر میں بھی اس مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے غور ہونے لگا کہ وقت کی اس آواز پر لبیک کہنا چاہیے، میرے والد مرحوم نے بھی پختہ عزم کر لیا کہ اس دیار کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا جائے جہاں انگریز کی حکومت ہے اور اُن دیار میں ہجرت کر کے سکونت اختیار کی جائے جو دار الاسلام کے حکم میں ہیں۔ چنانچہ جانے کے لیے گھر کے اثاثے کا جائزہ لیا جانے لگا۔ والد صاحب بالکل پا بہ رکاب تھے کہ اتنے میں سننے میں آیا کہ حضرت مولانا ابوالکلام خاص اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کے لیے لاہور آ رہے ہیں۔ والد صاحب نے موقع کو غنیمت جانا، اور میری معیت میں لاہور روانہ ہوئے۔

یہاں موچی دروازہ کے باہر ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مولانا نے خطاب فرمایا۔ میں اس وقت بہت کم عمر تھا، اس لیے تقریر کے مشمولات کو نہ سمجھ سکا۔ لیکن اس پون گھنٹے کی اس تقریر سے میں نے یہ ضرور سمجھا کہ پالسہ پلٹ چکا ہے۔ اور اب تو لوگ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ بعض دینی و شرعی شرائط کو پورا کیے بغیر ہندوستان کی سکونت ترک کر کے کسی اور ملک میں جا بسنا عقل و دین کے تقاضوں کے منافی ہے۔ فضا میں ٹھہراؤ پیدا ہوا۔ اور وہ پہلا سا جوش و خروش باقی نہ رہا۔ بلکہ اس مسئلہ نے واقعی ایک تمام تر اتفاق اور غور و فکر پر مبنی ایک اتفاق کی صورت اختیار کر لی۔

(دستخط) محمد حنیف ندوی

۲ر ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ، ۱۰ر اگست ۱۹۸۶ء

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی
کے
دو تاریخی خط

ایک مستفتی نے حضرت شیخ الہندؒ سے مندرجہ ذیل استفسار کیا جس کا جواب حضرت شیخ الہندؒ نے عطا فرمایا سوال و جواب دونوں درج ذیل ہیں :

سوال :

میں سرکاری نوکری سے مستعفی ہو چکا ہوں، اور خلافت کے اس نازک معاملے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو اظہر من الشمس ہے۔ برائے خدمت گزاری اسلام ہجرت کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ذاتی معاملات کی صورت یہ ہے کہ والدین اس معاملہ میں از حد مانع ہیں۔ میرے اور بھائی بفضلہ تعالےٰ جوان ہیں۔ والد صاحب برسرروزگار ہیں۔ اور یہی حالت میری اہلیہ کے والدین کی ہے۔ میری دو لڑکیاں ہیں جن کی عمر تین سال کے اندر اندر ہے۔ چوں کہ میں اپنے آپ کو یہاں کسی طرح مطمئن نہیں کر سکتا۔ اور ایک عظیم ولولہ دل میں ہجرت کا پیدا ہو چکا ہے، اس لیے شرعی فتوے کی ضرورت تھی کہ مذکرہ بالا حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ (ح،ن از ملتان)

جواب :

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ کاشف حالات ہوا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حالات موجودہ میں ہجرت کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں، اور آپ جب اس امر کی اہمیت اور نزاکت کو کماحقہٗ سمجھ چکے ہیں تو آپ پر اس بارے میں جدوجہد فرض ہے۔ اگر کوئی جاہل و غافل بعد از جہل قابل معافی سمجھا جائے تو ممکن ہے مگر جن کو حقیقت الامر منکشف ہو چکی ہے وہ کسی قسم کی معافی کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا بندہ کے نزدیک آپ جیسے باخبر اور قوی الہمت کے لیے اس امر میں ہرگز ہرگز کوتاہی جائز نہیں معلوم ہوتی۔

جس قدر امور اپنے متعلق آپ نے تحریر فرمائے ہیں اس میں قابل لحاظ والدین کی اطاعت اور زوجہ کی معیشت ہے، اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ آپ زوجہ اور صغیر اولاد کے گزران کی کوئی صورت فرما دیں، اور والد کے حصول اجازت میں کوشش بلیغ سے کام لیں۔ اگر والدین کسی طرح روبراہ نہ ہوں تو پھر مناسب ہے کہ آپ ہجرت کا ارادہ نہ فرمائیں بلکہ بطور خدمت گزاری اسلام اور بطور ملازمت ارادہ وہاں جانے کا فرمالیں، اور ان کی عدم اجازت کی پروا نہ کریں، ہاں ارادہ یہ ضرور رکھیں کہ خدمت ضروری سے جب فارغ ہوں گا والدین کی خدمت میں چلا آؤں گا، اور آپ وہاں پہنچ کر جس تدبیر اور رائے سے مشورہ متعلقین کر کے اسلام کو نفع پہنچا سکیں، اس میں کوشاں اور ساعی رہیں۔

بندہ محمود بقلم محمد مبین

۲۸ رذی قعدہ ۳۶ھ

(۲)

ڈیرہ اسماعیل خاں سے ایک استفسار کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

مخدوم و مکرم بندہ جناب خلیفہ صاحب مدفیوضکم!

احقر محمود تسلیم مسنون کے بعد عرض رسا ہے، جناب کا والا نامہ ایسے وقت پہنچا کہ بندہ سہارنپور گنگوہ وغیرہ گیا تھا وہاں سے کل واپس آیا تو جناب کا گرامی نامہ بندہ کو ملا۔ سب جانتے ہیں کہ ہجرت کی فضیلت اور خوبی ہر وقت مسلمہ ہے کہ اس کے استحباب اور استحسان میں ہر طرف سے تاکید وجوب محسوس ہوتا ہے جو اہل محبت کے عمل کرنے کے لیے بالکل کافی ہے، اب اس میں خواہ مخواہ فرضیت اور عدم فرضیت کا مباحثہ اور منازعت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو حیلہ جو طبائع رکھتے ہیں اور ایک حق کو رلانا چاہتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اس تحقیق کی چند جوانب ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

۱۔ دارالحرب کہ جس سے ہجرت کریں اس کو غور سے ملاحظہ کرنا۔

۲۔ جس دارالاسلام میں جانا چاہتے ہیں اس کے احوال پر نظر کرنا۔

۳۔ جو ہجرت کریں ان کے حالات کو پیش نظر رکھنا کیوں کہ حالات بے حد مختلف ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ وقت پریشانی کا ہے، اور اہل اسلام کی آزمائش کا ہے۔ پس اہل اسلام اس سے جان نہ چرائیں، اللہ کے واسطے ہجرت کریں۔ اس ضروری وقت

کو بحث و مباحثہ میں صرف نہ کریں۔

ہجرت ضروری ہے تو ایسی ضروری نہیں کہ نہ والدین کی اجازت کی حاجت ہو اور نہ اہل وعیال کی کفالت، اور جملہ اہل اسلام کو علی الفور ہجرت لازم کر دی جائے اور مستحب ہے تو ایسی مستحب بھی نہیں کہ تمام اہل ہند بے حس و حرکت ہو کر آرام واطمینان سے اس دار الکفر میں لمبے پیر پسار کر سوتے رہیں بلکہ فرض ہے کہ ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق تائیدوں کے لیے مال اور جان سے کوشش کرے خواہ یہاں رہے یا کہیں باہر جاوے۔ لہٰذا موافق اکابر اور عمائد اسلام پر علی الخصوص واجب ہے کہ خود ہمت کریں اور عوام کو ہمت بندھائیں، اور جو شخص جس کام کے لائق ہو اس کو اس کام میں لگائیں اور بحث واختلافات جن کا منشا نفسانیت ہے اس سے بچیں اور دوسروں کو بچائیں اور العلم حجاب الاکبر کے مصداق نہ بنیں۔ احقر نے حالات موجودہ پر نظر کر کے جو مناسب حق سمجھا جناب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ باقی عبارات کتب جن کو ہمارے علما نے اپنے قول کی مؤید سمجھ کر اپنے استدلالات پیش فرمائے ہیں ان کا مطلب اہل علم جو سمجھ رہے ہیں اس میں مجھ کو عرض کرنے کی حاجت نہیں۔ میں نے فقط یہ عرض کیا ہے کہ ہجرت فرض ہے یا مستحب قابل غور یہ ہے کہ ہم کو اس حالت میں کیا کرنا چاہیے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر اس خاص وقت میں ایسی منازعت کو نہایت منحوس اور مضر سمجھتا ہے۔ والسلام

بندہ محمود عفی عنہ[۱]
۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

---

[۱] مدینہ۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۰ء۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام دو خط

۱۔ از مولانا محمد منیر الزماں اسلام آبادی:

مخدوم و مکرم بندہ زاد عنایتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب عالی کا عنایت نامہ دیر سے دستیاب ہوا، سعادت مند حامل نامہ بوجہ علالت بروقت مجھے یہ خط نہ پہنچا سکے۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمادیں۔ مجھ کو حیرت ہوئی، جناب کے اس جملے سے کہ آپ کو ہم اشتباہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حاشا وکلا یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔ ہندوستان بھر میں جو چند افراد اسلام کے خادموں میں محسوس ہوتے ہیں، ان میں آپ کا نمبر کسی سے پیچھے نہیں خیال کرتے۔ آزاد سبحانی صاحب جو آپ کی کسی قسم کی شکایت کرتے ہوں گے یہ بھی میں باور نہیں کرتا۔ فیض آباد و دہلی و کلکتہ میں ان سے جو ملاقات رہی، دوران گفتگو میں کبھی میں نے آپ کے خلاف کوئی بات نہیں سنی بلکہ اس کے بالعکس خیالات ظاہر ہوئے۔

البتہ آپ کے احباب کو آپ کے متعلق دوستانہ ایک شکایت ہمیشہ سے ہے کہ آپ مستقل الرائے نہیں ہیں۔ ہر ایک شاکی اس کو آں جناب کا خلوص و بے ریائی پر محمول کرتے ہیں، اور اکثروں کو اس خلوص و اخلاص کی وجہ سے آپ سے خالص عقیدت بھی ہے۔ مسئلہ ہجرت کے متعلق آں جناب اب تک فروعات فقہیہ کے پیچ و تاب میں گرفتار ہیں۔ مفتی کو کوائف حاضرہ اور حالات موجودہ پر نظر ڈال کر قرآن و حدیث کے اغراض و مقاصد کو عمل میں لانے کی تدابیر کی رہبری کرنا چاہیے۔

مسئلہ ہجرت:

مسئلہ ہجرت اس قدر اہم اور جلیل الشان معاملہ تھا جس پر فوراً غور کر کے ہمیں کام شروع کرنا تھا مگر ہم نے مزید غور و فکر اور جمعیۃ علماء کے انتظار میں ناحق موقع کو ہاتھ سے دے دیا ورنہ اس عرصے میں آٹھ دس لاکھ نفوس نکل سکتے تھے نکلنے کے بعد ان کا نظام و انتظام کرنا

کوئی مشکل کام نہ تھا۔ بیرونِ ہند میں اس وقت بھی ہندوستان میں مقیم اہل الرائے سے زیادہ اشخاص مہاجرین کی ہدایت و نظام کے لیے موجود ہیں۔ آپ ان سے ناواقف نہیں ہیں۔ کروڑ آبادی میں سے اگر سات لاکھ نکل جاتے تو کچھ بھی نقصان کا احتمال نہ تھا۔ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ رہبر و مفتی کو آگے چل دینا چاہیے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال موجود ہے۔ ہجرت اولیٰ و ثانیہ میں ہادی نے غیروں کو ہجرت کی رائے دی خود نہ گئے۔ ہجرت ثالثہ میں بھی سب سے آخری دور میں آپ نے ہجرت اختیار فرمائی۔

دارالحرب:

دارالحرب، دارالاسلام کا مسئلہ تو میرے خیال میں بہت صاف مسئلہ ہے۔ غیر مسلم کے ماتحت جو ممالک ہیں وہ حکم دارالحرب میں ہیں، اور مسلم حاکم کے ماتحت جو ممالک ہیں دارالاسلام ہیں۔ اس پر زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ اجتہاد مطلق کا دروازہ مسدود ہو مگر اجتہاد فی المذہب کا باب ہمیشہ مفتوح ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، اس لیے متاخرین کی فروعی قیاسات و مسائل جزئیہ کو سامنے رکھ کے۔ علمائے زمان کو مقتضائے حال کے موافق فتویٰ دینا چاہیے۔

نظام شیخ الاسلام یا تحریک نظم جماعت:

شیخ الاسلام کا مسئلہ ہمارے نزدیک اگرچہ بہت اہم اور مفید مطلب نہیں ہے مگر پھر بھی اگر جمہور اس کی طرف راجع ہیں تو ہم پورے طور پر ان کے ساتھ ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا محمود حسن صاحب اس عہدے کو قبول کرنے سے پہلوتہی کر رہے ہیں دوسرا نام مولانا ابوالکلام صاحب کا پیش ہوا ہے ہم اس تحریک سے اتفاق رائے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جمعیۃ علماء کی تحریک اور اشاعت بالکل نہیں ہوئی ہم غالباً شرکت سے قاصر رہیں گے۔ ہم نے بنگال کے علما کی فہرست بھیج دی ہے۔

مسئلہ نصاب تعلیم:

نصاب تعلیم کے درجہ تکمیل کو ہم نے اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دیا ہے، اور ہم اپنے ارادے کی تکمیل کے لیے ہمہ تن کوشش میں ہیں۔ آنجناب کو اگر فطرتاً اس سے زیادہ تعلق و وابستگی نہ ہو، پھر بھی بالواسطہ ہم آپ کی معقول و اقتصادی تائید سے محروم نہ ہوں گے بفضلہ تعالیٰ

نصاب کا کام ایک معتدبہ حد تک بڑھ گیا ہے اور بڑھے گا۔ راستہ صاف ہوگیا ہے۔ لیگ و کانگریس کے زمانے میں آپ کی تشریف آوری لازمی ہے، اور جامعہ ملیہ کے متعلق گفتگو ہونی بھی لازمی ہے کہ نصاب تعلیم عربی کی تکمیل میں آپ سے مشورے حاصل کیے جائیں۔

بندہ اسلام آبادی[1]

(محمد منیر الزمان)

۲۔ از مولوی محمد انیس نگرامی:

حضرت مولانا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج کئی روز سے خیریت مزاج اقدس نہ معلوم ہو سکنے سے تعلق خاطر ہے۔ خدا کرے سب خیریت ہو۔ اس وقت باعث تصدیعہ یہ دو امر ہیں:

۱۔ جناب نے اپنے اعلان میں دارالحرب اور ہجرت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھنے کے باوجود ہجرت کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔" اس کے متعلق میں اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ شاہ صاحب کا یہ خیال جناب کو کس ذریعے سے معلوم ہوا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے العبرۃ[2] میں جہاں دارالحرب کے مسئلے پر شاہ صاحب کی رائے درج کی ہے۔ وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ صاحب کے اسی خیال پر کہ ہندوستان دارالحرب ہے کسی مولوی صاحب نے ترکِ ہجرت کا اعتراض کیا تھا جس پر شاہ صاحب نے دو جواب دیے:

۱۔ وجوب ہجرت استطاعت پر ہے، اور مجھے استطاعت نہیں ہے۔

۲۔ وجوب علی الفور نہیں ہے بلکہ علی التراخی ہے۔

ان دونوں جوابات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفس وجوب ہجرت کے قائل تھے لیکن بعروض عوارض انھوں نے ہجرت نہیں فرمائی۔

۲۔ اضحیۃ البقر کے ترک کرنے کے بعد طبقہ متوسط نیز غربا مر د ایسے غربا جن پر اضحیہ کا وجوب ہے، سخت مشکلات میں ہیں خصوصاً جن کے یہاں متعدد قربانیاں ہونی چاہییں۔ ان کو اور

---

[1] اس خط پر ذیلی عنوانات خاکسار نے قائم کیے ہیں (ا۔ س۔ شش)۔

[2] نواب صاحب علیہ الرحمہ کی یہ تصنیف عربی زبان میں ہے، اور اس کا پورا نام اس طرح ہے "العبرۃ مما جاء فی الغزو والشہادۃ والھجرۃ"

بھی دشواری ہے۔ پس ایسے وقت میں اگر مذہب غیر کی تقلید کر لی جائے تو کیا حرج ہوگا جس میں اس قدر آسانی ہے کہ اگر ایک گھر کے تمام افراد کی طرف سے صرف ایک قربانی کر دی جائے تو کافی ہو۔ امید ہے کہ اپنی رائے عالی سے جلد مطلع فرمائیں گے۔

محمد انیس عفی اللہ عنہ

۲۴ رجون ۱۹۲۰ء ازنگرام

ضمیمۂ پنجم :

تحریک ہجرت اور زمیندار ، لاہور

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مقالے میں تحریک ہجرت سے متعلق بے شمار کتب و رسائل کے حوالے دیے ہیں اور اس کے ماخذ کی نشان دہی کی ہے ۔ محققین ان سے استفادہ کرسکتے ہیں ۔

ایک نہایت مفید حوالہ جاتی کام پروفیسر احمد سعید (استاد شعبۂ تاریخ، ایم اے او کالج، لاہور) نے " روزنامہ زمیندار اور تحریک آزادی —— توضیحی اشاریہ " کے عنوان سے انجام دیا ہے اور مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے شائع کیا ہے ۔ اس اشاریے میں بے شمار عنوانات کے تحت مختلف مسائل و افکار ، شخصیات اور تحریکات کی طرح تحریک ہجرت سے متعلق تمام حوالے بھی مرتب کردیے ہیں ۔ ہم محترم پروفیسر صاحب اور مقتدرہ قومی زبان کے شکریے کے ساتھ محققین اور اسکالرز کے استفادے کے لیے متعلقہ صفحات کا عکس اس مقام پر شائع کررہے ہیں :

شاہد

مولوی ثناء اللہ اور مولوی عبدالباری ۔ بخدمت مولانا عبدالباری لکھنوی [مسئلہ ہجرت سے متعلق مولانا ثناء اللہ امرتسری کا خط مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء] ۲ مئی ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

اعلان منجانب انجمن مہاجرین اسلام صوبہ سرحد صدر مقام مردان ضلع پشاور ۔ ۱۳۳۸ جانباز برائے ہجرت تیار ہیں کہ ہجرت کا سن ابھی ۱۳۳۸ھ ہے [مراسلہ ، میاں قمرالدین کاکا خیل] ۵ مئی ۱۹۲۰ء ، ص ۲ + ۳ ۔

دفتر مہاجرین کا اعلان [مراسلہ ، غلام محمد عزیز ، امرتسر] ٦ مئی ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

مولانا عبدالباری کے مضمون ہجرت پر ایک ضروری [حکیم ابو تراب عبدالحق ، ایڈیٹر اخبار اہل سنت و الجماعت امرتسر] ۹ مئی ۱۹۲۰ء ، ص ۹ ۔

ہجرت کی تیاری [مراسلہ ، غلام محمد عزیز امرتسری دہلوی] ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

مہاجر واپس نہیں آئے [مراسلہ ، غلام محمد عزیز ، خادم المہاجرین از راول پنڈی] ۸ جون ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

مہاجرین سے گزارش [ہدایات] [مراسلہ ، خادم المہاجرین ۔ صدر دفتر مہاجرین ، دہلی] ۹ جون ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

ایک مہاجر کا خط [پشاور میں مہاجرین کی آؤ بھگت] [مراسلہ ، چنگیز مہاجر قافلہ ششم ، پشاور] ۱٦ جون ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

ہندوستانی مہاجرین کا ساتواں قافلہ جلال آباد میں [" اتحاد مشرق " جلال آباد سے ماخوذ] ۱۷ جون ۱۹۲۰ء ، ص ۳ ۔

مہاجرین کے قافلے ۔ قافلہ پنجم و ششم کی فہرست [مراسلہ ، تاج محمد منجانب سیکرٹری استقبالیہ کمیٹی مہاجرین ، پشاور] ۱۸ جون ۱۹۲۰ء ، ص ٥ ۔

مہاجرین کا ساتواں قافلہ جلال آباد پہنچ گیا [مراسلہ ، فضل الٰہی لاہوری ، فدا علی پشاوری ، غلام حسین پشاوری] ۱۸ جون ۱۹۲۰ء ، ص ٥ ۔

مہاجرین کی مالی امداد ۔ ایک ضروری گزارش [مراسلہ ، خادم المہاجرین غلام محمد عزیز ، از پشاور] ۱۹ جون ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

ہدایات سفر [محمد یحییٰ خان مہاجر قافلہ نمبر ۹ کا دوست کے نام خط] ۲۷ جون ۱۹۲۰ء ، ص ۱ ۔

دفتر انجمن استقبالیہ و انتظامیہ مہاجرین ۔ فہرست مہاجرین قافلہ نمبر ۷ ۔
روانگی از پشاور ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کل ۲۹ آدمی
[مراسلہ ، حاجی جان محمد ، سیکرٹری] ۳۰ جون ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

مہاجرین کا قافلہ نہم [مفتی عبدالقادر اور عبید الرحمان کی سرکردگی میں]
["اتحاد مشرق" سے ماخوذ] ۳ جولائی ۱۹۲۰ء ، ص ۱ ۔

مہاجرین سندھ کا پہلا قافلہ ۔ عظیم الشان تیاریاں [اداریہ] ۷ جولائی
۱۹۲۰ء ، ص ۲ ۔

کابل اور جلال آباد میں عظیم الشان جلسے ۔ اعانت مہاجرین ہند کے لیے
["اتحاد مشرق" سے ماخوذ] ۷ جولائی ۱۹۲۰ء ، ص ۲ ۔

مہاجرین کا دسواں قافلہ ۔ چار تعلیم یافتہ ہندو مہاجر [غلام محمد عزیز
خادم المہاجرین کی سرکردگی میں] ["اتحاد مشرق" سے ماخوذ]
۸ جولائی ۱۹۲۰ء ، ص ۲ ۔

مہاجرین سندھ اور مسلمانان خان پور [مہاجرین سندھ کا استقبال]
[مراسلہ ، عبدالحمید خواجہ سوداگر چرم] ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء ،
ص ۵ ۔

مہاجر کا خون [تحریک ہجرت] [مضمون ، سید عبدالقادر ایم اے]
۲۱ جولائی ۱۹۲۰ء ، ص ۱ ۔

مہاجر حبیب اللہ کی دلدوز شہادت ۔ گوروں کی بربریت [مراسلہ ،
عبدالغفور ، چیف سیکرٹری خلافت کمیٹی ، پشاور] ۲۱ جولائی
۱۹۲۰ء ، ص ۷ ۔

مہاجرین سندھ اور مسلمانان بہاول پور ۔ سات سو روپے کی تھیلی پیش کی
گئی [مراسلہ ، ایم فضل الٰہی بہاولپوری] ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء ،
ص ۵ ۔

مہاجرین کے لیے معلومات مزید [مراسلہ ، سید عبداللہ ، خادم المہاجرین]
۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

مہاجرین پنجاب کی روانگی کا انتظام [مراسلہ، سیکرٹری، خدام المہاجرین شیرانوالہ دروازہ لاہور] ۲۳ جولائی ۱۹۲۰ء، ص ۴۔

قافلہ مہاجرین دہلی [حافظ محمد حسین مالک دہلی لکل ورکس کی زیر نگرانی تیار ہے] [جز] ۲۷ جولائی ۱۹۲۰ء، ص ۴۔

مہاجرین پنجاب کا قافلہ۔ مولانا احمد علی صدر خلافت کمیٹی لاہور کی سرکردگی میں۔ کیمبل پور میں استقبال کا حال [مراسلہ، نامہ نگار از کیمبل پور] ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء، ص ۶۔

مہاجرین کو الوداع۔ اہل لاہور کا عظیم الشان جلسہ [بیرون دہلی دروازہ لاہور مورخہ ۲۳ جولائی زیر صدارت ظفر علی خان] ظفر علی خان کی تقریر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء، ص ۳+۴۔

اعلان منجانب صدر دفتر مہاجرین دہلی [ہدایات] [مراسلہ، تجمل حسین خان، آنریری سیکرٹری صدر دفتر مہاجرین، دہلی] ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء، ص ۶۔

مسئلہ ہجرت۔ مولانا عبدالباری رنگی محلی کا پیغام برق [ہر مسلمان کو ہجرت کا حکم نہیں دیا] ۴ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۴۔

جسم کابل میں اور دل دہلی میں [مراسلہ، خادم المہاجرین غلام محمد عزیز امرتسری از کابل] ۴ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۵۔

سندھ مہاجرین اور راشدیہ سپیشل [دوسری سپیشل ٹرین ۱۲ اگست پشاور روانہ ہوگی] [مراسلہ، مصطفیٰ کمال] ۴ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۵۔

انصار پشاور کی مہاجر نوازی۔ ایک مہاجر کے روز نامچے کا ورق [آغا ریاض، بازار حکیماں لاہور اپنے برادر خورد کا خط] ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۱+۲۔

اعلان قابل توجہ عازمانِ ہجرت [سردار ہاشم نائب سالار ملکی و نظامی، پاسپورٹ کے بغیر نہ آئیں] ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

مہاجرین ہند اور خان بہادران صوبہ سرحد [اداریہ] ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

مہاجرین کیمبل پور [روانگی کی روداد] ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۵۔

تحریک ہجرت اور صوبہ سرحد [سرکاری اطلاع بنام اخبارات] ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۳۔

مہاجرین کا قافلہ [۱۲ - ۱۳ ہزار کے درمیان افغانستان کے لیے روانہ] [اداریہ] ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

حکومت صوبہ سرحدی کی اطلاع: مہاجرین کی خاص توجہ کے قابل ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

صوبہ سرحدی کی صورت حال۔ تحریک ہجرت اور حکام کا رویہ ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۳۔

التوائے ہجرت۔ تصویر کے دو رخ [اداریہ] ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

سیکرٹری خلافت کمیٹی پنجاب [مولانا ظفر علی خان] کا برق پیغام۔ مولانا شوکت علی کے نام [بہ سلسلہ ہجرت] ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

مہاجرین مایوس نہ ہوں [اداریہ] ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

مہاجرین سندھ کا دوسرا قافلہ۔ لاہور میں استقبال [تفصیلی مراسلہ] ۲۰ اگست ۱۹۲۰، ص ۲+۳۔

ہجرت خلافت کے تحت ہیں۔ مولانا شوکت علی کا پیغام ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

مہاجرین سندھ کے قافلے [یہ چوتھا قافلہ تھا] ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۴۔

مسلمانان سرحد کی اولوالعزمی۔ تمام ہندوستان کی طرف سے امداد کی ضرورت [مراسلہ، محمد صفدر، ملک لعل خان] ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء، ص ۵۔

شیخ جان محمد جولیجو رئیس المہاجرین [عبدالرحیم قصوری کا مراسلہ ، جان محمد مہاجران کے فائدے کے لیے اور خاص مقصد کے لیے واپس آئے ہیں] ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء ، ص ۲ ۔

قافلہ سالار مہاجرین لاہور ۔ مولانا احمد علی کا مکتوب گرامی [اداریہ] ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء ، ص ۲ ۔

مسلمانان بمبئی کا ایک عظیم الشان جلسہ ۔ کابل کے مہاجران ہندی کا وفد ۔ میر رحمت اللہ پشاوری کا تحریری بیان ۔

۱۳ نومبر ۱۹۲۰ء ، ص ۱ + ۲ ۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۰ء ، ص ۱ + ۲ ۔

۱۹ نومبر ۱۹۲۰ء ، ص ۵ ۔

ہجرت کمیٹی پشاور کا حساب [مراسلہ ، لعل خان ، محاسب اعلیٰ پنجاب خلافت کمیٹی لاہور] ۱۷ نومبر ۱۹۲۰ء ، ص ۴ + ۲ ۔

عازمین ہجرت کے لیے مجلس خلافت پشاور کی اطلاع [مراسلہ ، عبدالقیوم سواتی ، معتمد مجلس خلافت پشاور] ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء ، ص ۵ ۔

افغانستان اور مہاجرین ہند [اداریہ] ۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء ، ص ۲ ۔

تاریخِ ملتِ اسلامیہ ہند پاکستان کا ایک اہم ماخذ

ہفتہ وار

پیغام

کلکتہ

(۲۳ ستمبر تا ۱۶ دسمبر ۱۹۲۱ء)

زیرِ نگرانی

مولانا ابوالکلام آزاد

مدیر

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی



مرکزی خلافت کمیٹی (ہند) کا ترجمان

تحریکِ خلافت کا مبلغ اور ترکِ موالات کا مؤید

مکمل جلد — عکسی اشاعت

صفحات: ۱۹۲ + ۱۶ قیمت مجلد ۱۰۰ روپے

ادارۂ تحقیقاتِ افکار و تحریکاتِ ملی

۹/۱ علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۱۴